تفسیرِ قرآن

کے اصول و قواعد

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تالیف
ابو سعد عبدالرحمن المحسن الیوسفی

نظر ثانی
شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد



تفسیرِ قرآن کے اصول و قواعد

تالیف
پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن محسن یوسفی

نظرِ ثانی
شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد

مکتبہ اسلامیہ

کتاب

تفسیرِ قرآن کے اصول و قواعد

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر عبید الرحمن محسن یوسفی

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2016ء

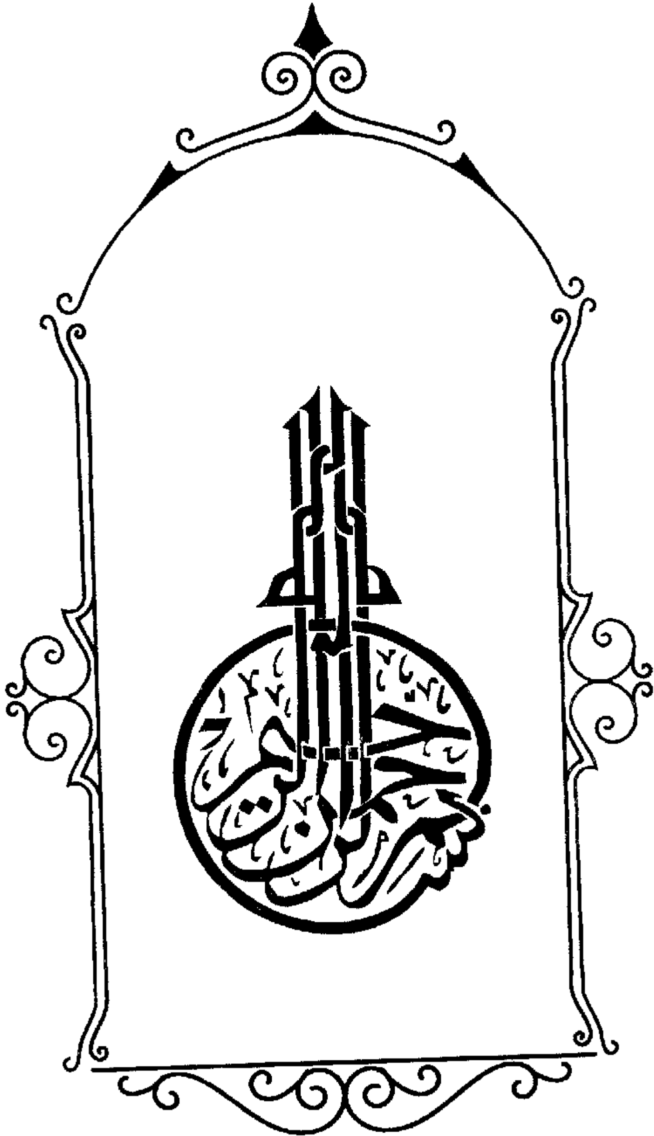
ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

Ph 0300-8661763 ، 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiapk@gmail.com
www.maktabaislamiapk.blogspot.com


بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

الْقُرْاٰنَ

اَمْ عَلٰى

قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

”وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔“
(سورہ محمد:24)

فہرست

عرض ناشر

الحمد للّٰه رب العٰلمین والصلوة والسلام علی رسوله الأمین، أما بعد:

قرآن مجید وہ عظیم کتاب ہے جو بنی نوع انسان کو راہ ہدایت سے روشناس کراتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ (بنی اسرائیل: ۹)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

یعنی اندھیروں سے اجالوں کی طرف، ضلالت سے ہدایت کی طرف، جہالت سے علم کی طرف، لادینیت سے دین کی طرف اور راہِ جہنم سے ہٹا کر راہ جنت کی طرف۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب میں ہر قسم کی روحانی وجسمانی بیماری کی شفا رکھ دی ہے، لیکن اس حقیقت سے آشنائی کے لیے اس میں تدبر وتفکر کے ذریعے سے غوطہ زن ہونا ضروری ہے، اسی لیے اکثر وبیشتر مقامات پر اس کی ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

نیز فرمایا:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲٤)

''تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟''

اسی اہمیت کے پیش نظر علمائے کرام نے تفسیر واصول تفسیر کی صورت میں خدمت قرآن کا بیڑا اٹھایا، جس طرح قرآن مجید کی تفاسیر میں بڑی بے مثال کتب منصۂ شہود پر

آئیں اسی طرح اس کے اصولوں پر بھی بڑی عرق ریزی سے کام ہوا ہے۔

زیرِ نظر تالیف ''تفسیر قرآن کے اصول وقواعد'' اردو زبان میں ایک بے نظیر تحریر ہے جس میں اصول وقواعد کے ساتھ ساتھ بعض ان لوگوں کے حالات و واقعات بھی صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیے گئے ہیں جنھوں نے ان مسلّمہ اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے قرآن مجید کی مَن چاہی تفسیر کر کے شریعتِ اسلامیہ کی بجائے اپنی اور اپنے ہمنوا لوگوں کی خواہشات کو مقدم رکھا ہے۔

فاضل مؤلف نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں اس خالص علمی بحث کو علماء وطلبا، مدرسین و معلمین اور عوام کے لیے یکساں مفید بنا دیا ہے۔ خانوادۂ علم وعمل کے چشم و چراغ اور ہمارے عزیز دوست فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبید الرحمٰن محسن ﷾ کی یہ کاوش یقیناً لائق تحسین ہے، نیز استاذ محترم شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد ﷾ کی نظر ثانی نے اسے مزید ممتاز کر دیا ہے۔

مکتبہ اسلامیہ ہمیشہ سے علم و اہل علم کا قدر دان رہا ہے، چنانچہ جب استاذ محترم اور موصوف ڈاکٹر صاحب نے اسے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو ہم نے اسے سعادت سمجھ کر قبول کر لیا اور اپنے روایتی انداز کے مطابق ظاہری و باطنی حسن سے دوبالا کر کے اب منظر عام پر لائے ہیں۔

ادارے کے رفیق قاری عمر فاروق راشد ﷾ نے بڑی محنت سے فائنل پروف ریڈنگ کی، محمد ذیشان مشتاق کی عمدہ کمپوزنگ اور عبدالواسع صاحب کی خوبصورت ڈیزائننگ وٹائٹل بھی قابل ستائش ہے۔ جزاهم الله خيراً۔

اللہ رب العزت ہماری ان کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور روزِ قیامت ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

محمد سرور عاصم

مدیر مکتبہ اسلامیہ

لاہور۔ فیصل آباد

عرض مؤلف

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء و خاتم المرسلين وعلىٰ من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين، وبعد:

قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے صحیفۂ نور اور منبعِ رشد و ہدایت ہے۔ بالخصوص امتِ اسلامیہ کے لیے مصدرِ قانون اور ماخذ شریعت ہے، لہٰذا اس سے اخذ مسائل و استنباط احکام کو انسانی خواہشات اور بشری افکار و آرا کا کھلونا کسی صورت نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کی تشریح وتعبیر اور تفسیر وتاویل کے لیے ایسے اصول وضوابط طے کیے جانا ضروری ہیں، جن کی بنیاد پر صحیح تفسیر تک بآسانی رسائی ہو سکے اور تحریفات معنویہ سے بچا جا سکے۔ علم اصول تفسیر میں بنیادی طور پر یہی روح کارفرما ہے۔

اصول تفسیر ایسے اصول وقواعد کا نام ہے جو مفسرین قرآن کے لیے نشان منزل کی تعیین کرتے ہیں۔ تاکہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے والا ان کی راہ نمائی اور روشنی میں ہر طرح کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہے اور اس کے منشاء ومفہوم کا صحیح ادراک کر سکے۔

قرآن فہمی کے لیے اس موضوع کی اساسی اہمیت کے پیش نظر توقع یہ تھی کہ اردو زبان میں اس موضوع پر خود علم تفسیر کی طرح بے شمار کتب تصنیف کی گئی ہوں گی، لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، حیرت ہوتی ہے کہ تفسیر کا اتنا عظیم الشان کلیدی شعبہ علماء کی تحقیقات سے اس قدر محروم کیوں رہا ہے؟

ہمارے اس خطہ برصغیر میں علم اصول تفسیر سے بے اعتنائی قابل افسوس ہے۔ یہاں تفسیر نویسی آٹھویں صدی ہجری میں باقاعدہ شروع ہو چکی تھی۔ لیکن اصول تفسیر سے بے

اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ بارھویں صدی ہجری تک اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں ملتی۔ اس خطۂ ارضی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی "الفوز الکبیر فی أصول التفسیر" کو اس موضوع پر پہلی باقاعدہ کتاب کا مقام حاصل ہوا۔

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور سید سلیمان ندوی نے اسے اس موضوع پر پہلی کتاب کہا ہے۔ (معارف، سید سلیمان ندوی نمبر، ص۲۴۹، تاریخ دعوت و عزیمت، ابو الحسن علی ندوی، ۱۵۰/۵۔ ۱۵۴۔)، نیز دیکھیے: "فن اصول تفسیر"، مبادیٔ تدبر قرآن کے حوالے سے" اشهد رفیق ندوی، ششماهی علوم القرآن، علی گڑھ، جلد ۱۷، شماره۱ جنوری۔ جون۲۰۰۲، ص۳۵۔ ۷۸)

اس طرح یہ عظیم المرتبت شعبۂ علم صدیوں تک ایک منظم، مدون اور باقاعدہ علم کے طور پر سامنے نہ آ سکا اور مفسرین اپنے اپنے انداز میں تفسیریں رقم فرماتے رہے۔ یہاں مخصوص تہذیبی پس منظر اور ماحول میں بالعموم تفسیر قرآن کے نام پر فلسفہ ومعقولات کی خالص فنی مباحث یا پھر اذواق اور کشوفات کا غلبہ اس قدر رہا ہے کہ خود قرآن اور اس کا پیغام پردۂ خفا میں چلا گیا۔ اگر تفسیر قرآن کے اصول وقواعد منضبط شکل میں موجود ہوتے تو شاید صورت حال یکسر مختلف ہوتی۔

نابغۂ روزگار شاہ ولی اللہ کے بعد صورت احوال میں بہت مثبت تبدیلی آئی۔ قرآن مجید ایک نئے انداز اور جدید اسلوب ومنہاج میں افکار وتحقیقات کا مرکز بنا۔ تطور وارتقاء کے اس موڑ پر اصول تفسیر پر مواد کی کمی کا احساس بہت سے لوگوں نے کیا اور اپنی اپنی علمی استطاعت ونظریاتی میلان کے مطابق اس خلا کو پر کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس موضوع پر نہایت قابل قدر کاوشیں منظر عام پر آئیں۔ ارتقاء وتغیر کے اس موڑ پر چار واضح اور متعین مدارس فکر وجود میں آئے جنھیں ہم برصغیر کے اساسی و بنیادی نوعیت کے "مدارس تفسیر" یا تفسیری مکاتب فکر قرار دے سکتے ہیں۔

① تفسیر بالمأثور
② تفسیر بالرأی المحمود
③ فراہی مکتب فکر

④ تفسیر بالرائی المذموم

پہلا مدرسۂ فکر اس بات کا حامی تھا کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں ماثور و منقول مواد ہی پر اکتفا کیا جائے اور فکر و نظر کی ان بدعات کو اس کے دائرے میں نہ لایا جائے جن سے اسلام کی بنیادی روح متاثر ہوتی ہے۔ دوسرا مکتبۂ فکر چند شروط و قیود کے ساتھ تفسیر قرآن میں عقل و رائے کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔

تیسرا مدرسۂ فکر قرآن مجید کے اندرونی نظام کو ایک فیصلہ کن عامل کی حیثیت دیتا ہے۔ یہ مکتب فکر اس بات کا پرزور قائل ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک عمود (مرکزی مضمون) ہوتا ہے اور سورت کی تمام آیتیں اس سے مربوط ہوتی ہیں۔ اسے نظم القرآن یا نظام القرآن کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ نظم سمجھ میں نہ آئے اس وقت تک نہ تو اس سورت کی قدر و قیمت اور حکمت واضح ہوتی ہے اور نہ ہی اس سورت کی متفرق آیات کی صحیح تفسیر متعین ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی رائے ہی کی ایک قسم ہے، لیکن نظم قرآنی پر خاص جدو جہد کی وجہ سے یہ ایک مستقل مدرسۂ فکر ہے، برصغیر میں اس کے بانی چونکہ علامہ حمید الدین فراہی ہیں اس لیے اسے فراہی مکتب فکر کہا جاتا ہے۔

چوتھا مدرسۂ فکر، نقل و نظم سے زیادہ عقل کا دلدادہ ہے۔ اس دبستان فکر سے وابستہ اصحاب نے قرآن مجید کی ہر ہر آیت کو سمجھنے کے لیے لغت و عقل کو کافی وافی سمجھا، جو نئے نئے مطالب و معانی فکر و نظر کو بھائے اسے بلا تامل آیات قرآنیہ پر چسپاں کیا۔ نتیجۃً ارکان اسلام اور عقائد و ایمانیات جیسے بنیادی تصورات میں بھی جمہور امت سے منحرف ہوگئے۔ اسے مکتب تفسیر بالرائی المذموم یا انحرافی مکتب فکر کا نام دیا گیا ہے۔

چاروں شرکائے بزم نے اپنے اپنے متعین کردہ اسلوب و منہاج کے مطابق تعبیر قرآن کے دائروں میں وسعت و گہرائی پیدا کی اور تفسیر کے اصول مدون کیے۔ ان میں سے کچھ اصحاب علم و فضل نے اصول تفسیر پر مستقل تصانیف و تالیفات سے امت کو مستفید کیا، پھر اس کے مطابق تفاسیر بھی قلمبند کیں اور بعد میں آنے والوں پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ کچھ دیگر صاحبان علم و تحقیق نے اصول تفسیر کے اس سلسلے کو آگے بڑھایا ان کی

تشریح وتوضیح سے تعرض کیا اور خوب کیا، اصول تفسیر کے متفرق مسائل پر فہم وادراک کے جوہر دکھائے اور ان پر سیر حاصل بحث کی۔

راقم السطور نے ان چاروں مکاتب فکر کے اصول تفسیر پر استاذ مکرم پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر صدر شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی کی زیر نگرانی ''برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات'' کے نام سے مفصل مقالہ لکھا، جو کم وبیش چھ صد صفحات پر مشتمل ہے، جس پر الحمد للہ بندۂ ناچیز کو ۲۰۱۳ میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی طرف سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری جاری کی گئی۔ پنجاب یونیورسٹی نے حسب ضابطہ مذکورہ مقالہ طائف یونیورسٹی سعودی عرب اور اسلامک یونیورسٹی ملائشیا کے دو محترم ومکرم ماہرین پروفیسرز کے پاس رپورٹ کے لیے بھیجا، دونوں اسکالرز نے مقالہ نگار کی خوب حوصلہ افزائی کی اور اسے قابل اشاعت قرار دیا۔

مؤلف نے مقالہ نویسی کے دوران پورے خلوص اور محنت کے ساتھ اصول تفسیر پر دستیاب عربی مقالہ جات، کتب ورسائل، شروح وحواشی، اور تعلیقات کے علاوہ اردو لٹریچر کو بھی کھنگالا۔ کیونکہ میری یہ آرزو تھی کہ خیر القرون کے مسلمہ اصول تفسیر (تفسیر بالماثور کے اصول) واضح طور پر مرتب کردیے جائیں اور دستیاب عربی واردو تحریروں کا ایک جامع خلاصہ پیش کردیا جائے۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب اسی خواہش کی عملی تعبیر ہے۔ اگرچہ اس کا بیشتر مواد میرے مذکورہ تحقیقی مقالہ سے ماخوذ ہے، تاہم اس پر شیخ مکرم فضیلۃ الشیخ عبدالستار الحماد ﷾ کی خصوصی راہ نمائی، دلچسپی اور اسی طرح عظیم محقق فضیلۃ الشیخ عزیز شمس کے بعض مشورہ جات کی روشنی میں متعدد مقامات پر حک واضافہ سے کام لیا گیا ہے۔ جس بنا پر یہ کتاب اصل مقالہ سے مختلف ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے متعلق خاطر خواہ مواد موجود ہے، تاہم اردو زبان کا دامن تاحال اس سے بڑی حد تک تشنہ ہے۔ زیر نظر کتاب میں اس کمی کو پورا کرنے کی ایک ادنی سی کوشش کی گئی ہے۔ ان اصولوں کی خوبی ہی یہ ہے کہ یہ کسی ایک

فرد کے خود ساختہ نہیں، بلکہ جمہور امت عہد خیر القرون سے اب تک انہی اصولوں کے تحت تفسیر قرآن کی سعادت حاصل کرتی رہی ہے، لہٰذا اس کتاب میں جو کچھ ہے اسلاف ہی کا ہے، راقم نے تو صرف ترجمہ اور ترتیب وتہذیب کی خدمت سرانجام دی ہے۔

اس حوالے سے کتب علوم القرآن، مقدمات تفسیر، امہات تفسیر وحدیث اور اصول تفسیر وغیرہ سے استفادہ کیا گیا۔

میرے مُربی، محسن ومعلم والد مرحوم شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف (متوفی ۲۰۱۴ء) کی خواہش، وصیت اور تاکید کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کتاب جیسی بھی ہے پیش خدمت ہے۔ افسوس کہ بزرگوار یہ خواہش سینے میں لیے راہیٔ آخرت ہوئے۔ اللّٰھم اغفرله وارحمه وارفع درجته۔

موضوع انتہائی نازک اور لطیف ہے، جبکہ مؤلف اس میدان میں نووارد ہے اور ضعیف بھی، علم میں کمزور، عمل سے تہی دامن یہ محض اللہ تعالیٰ رحمان ورحیم کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ناکارہ سے یہ کام لے لیا۔ الحمدللّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات۔

اہل علم وفضل قارئین سے پرزور التماس ہے کہ کمزوریوں سے آگاہ کریں، غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور اپنی مخلصانہ تجاویز سے نوازیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جاسکے اور نقش ثانی کو بہتر بنایا جاسکے۔

الٰہی! اس کتاب کو میرے اور میرے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ وذخیرۂ آخرت، طلبۂ علم ومتلاشیان حق کے لیے نشانِ منزل، خدّام قرآن کے لیے مشعل راہ اور پوری امت کے لیے نفع مند بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

آخر میں اپنی مادر علمی دارالحدیث راجووال سے لے کر، جامعہ سلفیہ، مرکز التربیۃ الاسلامیہ فیصل آباد، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور پنجاب یونیورسٹی تک کے تمام اساتذہ ومعلمین کا شکرگزار ہوں جنہوں نے علم کی راہوں سے متعارف کرایا، اہل خانہ کا شکریہ جنہوں نے پرسکون تحقیقی ماحول فراہم کیا، دیگر تمام احباب کا شکریہ جنہوں

نے اس معاملے میں کسی بھی طرح تعاون کیا، بالخصوص محترم بھائی جناب ابوعبیدہ صاحب اور ناشر گرامیٔ قدر کا شکر گزار ہوں جن کا اس کتاب کی اشاعت میں خاطر خواہ حصہ ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے استاذِ مکرم، شارح صحیح بخاری مفتی ہفت روزہ ''اہلحدیث'' و ''پیغام چینل'' فضیلۃ الشیخ عبدالستار الحماد ﷾ کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے مصروف ترین لمحات میں سے قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو حرف بحرف پڑھا، تصحیح کی، نظر ثانی فرمائی اور متعدد مقامات پر قیمتی راہ نمائی سے نوازا۔ جزى الله الجميع خيراً۔

ربنا تقبل منّا إنك أنت السميع العليم۔ وصلى الله وسلم وبارك على النبى الكريم الأمين۔

کتبه الفقير إلى الله

ڈاکٹر عبیدالرحمن محسن بن شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف

لیکچرار اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج حجرہ شاہ مقیم

مہتمم و مدرس دارالحدیث جامعہ کمالیہ راجووال

۲۰۱۴ء/ ۱۴۳۵ھ

حرف آغاز

قرآن کریم انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے بہت بڑا سرچشمہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی کے ذریعے سے نفوس بشریہ کا تزکیہ کیا، ان کے عقائد باطلہ کی درستی کی اور ان کے اعمال واخلاق کو خیر وشر کی تمیز سے ہمکنار کیا، دور حاضر میں مادہ پرستی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے، اس کی جہالت کا علاج اور مداوا بھی صرف قرآنی تعلیمات ہی سے ممکن ہے قرآن کریم نے اپنا خود ہی تعارف بایں الفاظ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری سناتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک قسم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (بنی اسرائیل: ۹، ۱۰)

دوسرے مقام پر اس مضمون کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾

''یہ قرآن تو ایمان والوں کے لیے ہدایت وشفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو بوجھ ہے اور یہ قرآن ان کے لیے اندھے

پن کا باعث ہے۔'' (حم السجدہ: ٤٤)

قرآن مجید کیا ہے؟ علمائے اصول نے اس کی تعریف بایں الفاظ کی ہے۔

''قرآن مجید سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے، جس کی ایک ایک سورت اپنی جگہ پر ایک معجزے کی حیثیت رکھتی ہے وہ قرآن جس کی تلاوت عبادت ہے جو نسخوں میں لکھا ہوا ہمارے پاس موجود ہے اور ایک تواتر کے ساتھ صحابہ کرام سے لے کر آج تک مصاحف کی شکل میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔''

اس تعریف میں قرآن مجید کا ابتدائی کی تعارف یہ ہے کہ وہ کلام جو اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اب چونکہ اللہ کی طرف سے اتارے جانے کا ذریعہ وحی رہی ہے، لہٰذا قرآن مجید کا مصدر ومنبع اور ماخذ وحی الٰہی ہے، اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ بھی ہماری راہ نمائی کرتا ہے۔

﴿وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؁ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ؁ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ؁ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ؁ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾

''اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے اسے ایک امانتدار فرشتہ لے کر آیا ہے، یہ آپ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ صاف عربی زبان میں ہے، سابقہ انبیاء کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔ (الشعراء: ۱۹۲، ۱۹٦)

بلاشبہ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے اور اس کے اولین مخاطب حجاز کے عرب تھے جنہیں اپنی زبان دانی، فصاحت وبلاغت پر بہت ناز تھا، وہ دوسروں کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے تھے، لیکن یہ قرآن عربی ہونے کے باوجود اسے محض لغت سے نہیں سمجھا جا سکتا تھا، اس لیے اس کی تعلیمات کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جس نے علمی اور عملی ہردو اعتبار سے اس کے مطالب کو واضح کیا، اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے پہلے معلم اور مفسر ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ

کا منصب ان آیات میں بیان کیا ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾(النحل: ٤٤)

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر اس لیے نازل کیا ہے تو کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔''

دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ آپ کے منصب کو بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ﴾

''ہم نے آپ پر کتاب اس لیے اتاری ہے تا کہ آپ اس امر کی وضاحت کریں جس میں انہوں نے اختلاف کر رکھا ہے۔''(النحل: ٦٤)

ان آیات سے رسول اللہ ﷺ کے منصب کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ کی حیثیت ایک چٹھی رساں کی نہیں ہے جو ایک بند لفافہ مکتوب الیہ تک پہنچا دے، بلکہ آپ کا منصب یہ ہے کہ آپ نے اپنے عمل و کردار اور قول و گفتار سے اس آئینِ زندگی کی وضاحت کرنی ہے جو انہیں دیا گیا ہے، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اپنے فہم و عقل کے ذریعے سے کلام الٰہی کی مراد کو نہیں پا سکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾(الاحزاب: ٢١)

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی قرآن مجید کی مجسم تفسیر ہے اس آیت کے تناظر میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اس عملی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھا جائے اور اس کے احکامات پر عمل کیا جائے، یہی بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی تھی جب ان سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے بایں الفاظ اس سوال کا جواب دیا تھا:

''فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ''

یہ قرآن ہی نبی کریم ﷺ کا خلق تھا۔ (صحیح مسلم: ٧٤٦) خلق میں اقوال

وافکار، اعمال وافعال اور تقریرات سب کچھ آجاتا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا عمل ایسا نہ تھا جو قرآن کریم سے باہر ہو، آپ کے اسی خلق کو پورے عالم کے لیے نمونہ بنایا گیا ہے، اس خلق نبوی کے بغیر نہ قرآن سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اس پر عمل ہی کیا جاسکتا ہے، جن لوگوں نے خلق نبوی کے بغیر قرآن فہمی کی کوشش کی ہے انہوں نے گویا اندھیرے میں تیر چلائے ہیں، ہم اس سلسلے میں ایک مثال سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے بیان کے مطابق سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا، آپ مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرتے ہوئے اس ''قید خانہ'' سے نکلنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور وہ مچھلی کے پیٹ سے زندہ نکل آئے، لیکن معجزات کا ایک منکر اس معجزے کا انکار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت کے متعلق لکھتا ہے:

﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾

''اگر وہ (یونس علیہ السلام) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک اس (مچھلی) کے پیٹ میں پڑے رہتے۔'' (الصافات: ١٤٣، ١٤٤)

وہ لکھتا ہے۔

''لیکن اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، انتہا کی جدوجہد کی اور مچھلی کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا لیا، اگر وہ ایسا نہ کرتا اور بہت اچھا تیراک نہ ہوتا تو مچھلی اسے نگل لیتی پھر وہ قیامت تک باہر نہ آسکتا۔''

(مفہوم القرآن: ٣/ ١٠٤٣)

اس مفہوم پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان اس کے بودے دین کو محسوس کرسکتا ہے۔ واضح رہے مفہوم القرآن نامی کتاب غلام احمد پرویز کی تالیف ہے جو اس نے قرآنی تفسیر کے طور پر لکھی ہے۔

بہرحال قرآن فہمی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا بیان انتہائی ناگزیر ہے، ہم اس کی

وضاحت صرف ایک مثال سے کرتے ہیں تاکہ پوری بات نکھر کر سامنے آجائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴾

''ہم نے آپ کو سبع مثانی مرحمت فرمائیں اور قرآن عظیم عطا فرمایا۔''

(الحجر: ٨٧)

صاحب قرآن کے بغیر قرآن فہمی کا دعویٰ کرنے والے غور کریں کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں سبع مثانی سے کیا مراد ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے بیان کے علاوہ کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے پتہ چل سکے کہ بار بار دھرائی جانے والی یہ سات چیزیں کیا ہیں، کیا صرف عقل کے بل بوتے پر اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے؟ یہ عقدہ صاحب قرآن نے حل کیا کہ اس سبع مثانی سے مراد قرآن کریم کی سات آیات ہیں پھر ان سات آیت کی تعین بھی صاحب قرآن سے معلوم ہوتی کہ ان سے مراد وہ سات آیات ہیں جن پر سورۂ فاتحہ مشتمل ہے۔ (صحیح البخاری: ٤٧٠٣)

رسول اللہ ﷺ سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق صحابہ کرام اور صحابیات عظام نے کسب فیض کیا، پھر اس علم نبوی کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر کی، پھر یہی تفسیری سرمایہ تابعین اور تبع تابعین کے ذریعے سے علمائے تفسیر تک منتقل ہوا، مفسرین کرام نے قرآن فہمی کے باقاعدہ اصول وضوابط مرتب کیے جو آج اصول تفسیر کے نام سے ایک مستقل فن کا درجہ رکھتے ہیں۔ قرآن فہمی کے لیے ان اصولوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ جس طرح کتاب الٰہی کا متن محفوظ رہا، اس کی زبان محفوظ رہی اسی طرح اس کے معانی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہیں اور اس بات کا اطمینان رہے کہ کوئی شخص نیک نیتی یا بدنیتی سے اس قرآن کی تعبیر وتشریح طے شدہ اصولوں سے ہٹ کر من مانے انداز سے نہ کرنے لگے، ان اصولوں کی پیروی رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے صحابہ کرام نے کی، تابعین اور تبع تابعین نے کی تا آنکہ ان تمام اصولوں کو اکابر ائمہ تفسیر نے دوسری اور تیسری صدی میں اس طرح مرتب کر دیا کہ بعد میں آنے والوں کے لیے ان کی پیروی بھی آسان ہو گئی

اور قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کے لامتناہی راستے بھی کھلتے چلے گئے۔

قرآن مجید کی تفسیر اگر طے شدہ اصولوں سے ہٹ کر کی جائے تو پھر یہ کتاب ہدایت کے بجائے گمراہی کا سلسلہ بھی بن سکتی ہے، یہی وہ چیز ہے جس کی طرف قرآن میں بایں الفاظ اشارہ کیا گیا ہے:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۙ وَّيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾

''اس کے ذریعے سے بیشتر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے۔'' (البقرہ: ٢٦)

اس کتاب سے گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پہلے سے اپنے ذہن میں کچھ طے شدہ عقائد ونظریات لے کر آتے ہیں اور انہیں کتاب الٰہی میں من مانی تاویلات کے ذریعے سے سمونے کی کوشش کرتے ہیں گویا خود کتاب الٰہی کے تابع بننے کے بجائے کتاب الٰہی کو اپنے خیالات کا تابع بنانے کی سعی ناشکور کرتے ہیں، یہ ایک ایسی وبا ہے کہ ماضی میں یہود ونصاری اس کا شکار ہوئے انہوں نے اپنی اپنی کتابوں تحریف کی اور ان کے معانی ومفاہم میں ردوبدل کیا، اسی بیماری کے سدباب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ فِيْ الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

''جس نے قرآن مجید کے متعلق محض اپنی ذاتی رائے اور اپنی عقل کی بنیاد پر کوئی بات کہی تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔''

(سنن الترمذی: ۲۹۵۱)

اس وعید شدید سے بچنے کے لیے اہل علم نے دور صحابہ سے لے کر آج تک اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر ان اصولوں کی روشنی میں کی جائے جو پہلے سے طے شدہ ہیں تاکہ ان گمراہیوں کا راستہ بند ہو جائے جن کا شکار یہود ونصاری ہوئے تھے، تفسیر کے بہت سے اصول وقواعد تو خود قرآن کریم سے معلوم ہوتے ہیں اور بہت سے دوسرے قواعد وضوابط ایسے ہیں جو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دیتے ہیں بیشتر تفسیری قواعد صحابہ کرام نے اپنی گہری بصیرت، دینی تربیت اور فطری ذوق سلیم کی بنیاد پر مرتب

کیے، ہر آنے والا مفسر اور شارح قرآن ان اصولوں کی پیروی کرتا ہے اور کتاب الٰہی کے مطالب متعین کرنے میں ان اصولوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔

عربی زبان میں اصول تفسیر سے متعلق بہت سالٹریچر دستیاب ہے درج ذیل کتب اس فن میں بہت مشہور ومتداول ہیں۔

الاتقان فی علوم القرآن، مناھل العرفان فی علوم القرآن، التفسیر والمفسرون۔

برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تالیف الفوز الکبیر اور نواب صدیق حسن خان کی کتاب کبیر فی اصول تفسیر نے بہت شہرت حاصل کی، لیکن اردو زبان میں اصول تفسیر پر کوئی مختصر اور عام فہم کتاب موجود نہیں، اللہ تعالیٰ برادر عزیز پروفیسر عبید الرحمن محسن ﷾ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ''تفسیر قرآن کے اصول وقواعد'' مرتب کر کے اس کی کمی کو بڑی حد تک پورا کر دیا ہے، اس کے متعلق ہماری گزارشات پیش خدمت ہیں واللہ الموفق

کچھ مؤلف اور کتاب کے بارے میں

اس کتاب کے مؤلف برادرِ عزیز، برخوردار پروفیسر عبید الرحمٰن محسن ﷾، میرے محسن ومربی مولانا محمد یوسف ﷫ آف راجووال کے ایک لائق اور ذہین وفطین لخت جگر ہیں، انہوں نے فن تفسیر میں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات، زیر عنوان ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا تھا ان کے نزدیک برصغیر میں بنیادی نوعیت کے چار تفسیری مکاتب فکر حسب ذیل ہیں:

(۱) تفسیر بالماثور: اس کا مطلب یہ ہے کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں صرف ماثور ومنقول مواد پر اکتفا کیا جائے اور فکر ونظر کی ان بدعات کو تفسیر قرآن کے دائرے میں نہ لایا جائے جن سے اسلام کی بنیادی روح متاثر ہوتی ہے۔

(۲) تفسیر بالرای المحمود: اس مکتبۂ فکر کے نزدیک تفسیر قرآن کے لیے چند شروط وقیود کے ساتھ عقل ورائے اور فکر ونظر کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۳) فراہی مکتبِ فکر: اس فکر کے حاملین کے نزدیک قرآن مجید کے اندرونی نظام کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان کے ہاں قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جس سے سورت کی تمام آیات مربوط ہوتی ہیں۔

(۴) تفسیر بالرای المذموم: اس سے وابستہ حضرات نقل ونظم کے بجائے لغت وعقل کو بہت استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے یہ حضرات ارکان اسلام اورعقائد وایمانیات جیسے بنیادی تصورات میں جمہور امت سے انحراف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مؤلف نے ان چاروں مکاتب فکر کے اصولِ تفسیر کو سامنے رکھا اور ان کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ایک مفصل مقالہ تحریر کیا، جس پر پنجاب یونیورسٹی نے انہیں امتیازی حیثیت سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری عنائیت کی۔ اللھم زد فزد۔

زیر نظر تالیف اسی مقالے کا ایک حصہ ہے جسے معمولی ترمیم واضافے کے ساتھ الگ سے شائع کیا جارہا ہے قارئین کرام اس کی تفصیل ''عرض مؤلف'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں مؤلف نے خیر القرون میں تفسیر بالماثور کے مسلمہ اصول تفسیر واضح طور پر مرتب کرنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے، نیز فن تفسیر میں دستیاب عربی اور اردو لٹریچر کا ایک جامع خلاصہ پیش کیا ہے، دوران مطالعہ اس کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں، اس کتاب میں بیان کردہ اصولِ تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کسی فرد واحد کے خود ساختہ نہیں، بلکہ جمہور مفسرین انہی اصولوں کے تحت تفسیر قرآن کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں۔

واضح رہے کہ مؤلف نے اس کتاب کو حسب ذیل گیارہ فصول میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی فصل: یہ فصل بنیادی اصطلاحات پر مشتمل ہے، اس میں مؤلف نے اصول کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا ہے اور اس کے تین معنوں دلیل، قاعدہ اور حالتِ اصلی کی وضاحت کی ہے، پھر تفسیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کیا ہے، قرآن وحدیث میں اس کے استعمالات کی نشاندہی کرتے ہوئے امام زرقانی کی بیان کردہ تعریف کو مختصر اور جامع مانع کی حیثیت سے بہترین قرار دیا ہے، آخر میں تأویل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے تفسیر وتأویل میں فرق کو واضح کیا ہے۔

دوسری فصل: اس فصل میں تفسیر بالمأثور کے معنی ومفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا گیا ہے، مؤلف نے تفسیر بالمأثور کے منہج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہ منہج اس بات کا متقاضی ہے کہ اب رہتی دنیا تک آنے والے انسان خواہ وہ کتنے ہی ذہن وفطین کیوں نہ ہوں قرآن مجید کا صحیح فہم احادیث رسول اللہ ﷺ اور اقوال صحابہ ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔''

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تفسیر بالمأثور کا منہج ہی فکری انتشار سے بچاؤ کی ضمانت ہے آخر میں اس منہج پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسری فصل: اس میں تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں، قرآن کی بہترین تفسیر وہی ہے جو قرآن کے ذریعے سے کی جائے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے مجموع الفتاویٰ میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس قسم کی تفسیر کو بہترین اصل قرار دیا ہے کیونکہ قرآن کریم میں اگر کہیں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل، اگر اطلاق ہے تو دوسری آیات میں اس کی تقیید اور اگر عموم ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

چنانچہ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کرتا ہے۔ پھر اس کی چھ اقسام کی مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔

چوتھی فصل: اس میں تفسیر القرآن بالحدیث کو موضوع بحث بنایا ہے، مؤلف نے اس فصل میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حدیث رسول کیونکر شارح قرآن ہے؟ نیز اس میں تفسیر القرآن بالحدیث کی انواع واقسام بیان کی گئی ہیں، متقدمین کے نزدیک احادیث کی حسب ذیل تین اقسام ہیں۔

① نصوص قرآن پر مشتمل احادیث، ② قرآنی آیات کی شارح احادیث،
③ مستقل اضافی احادیث

اس فصل میں قرآنی تفسیر کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کردہ ''علوم خمسہ'' کی وضاحت بھی خوب کی گئی ہے۔

پانچویں فصل: اس میں صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں تفسیر القرآن کے اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں کیونکہ قرآن حدیث کے بعد صحابہ اور تابعین کے اقوال کو تفسیر القرآن میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، نیز اس میں صحابہ وتابعین کے تفسیری اقوال کی مختلف انواع واقسام اور ان کے متعلق تفصیلی احکام بیان کیے گیے ہیں۔

چھٹی فصل: عربی زبان وادب کے ذریعے سے قرآنی تفسیر اور اس کے اصول وضوابط پر یہ فصل مشتمل ہے، بلاشبہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، لہٰذا قرآن کریم کی تفسیر کے لیے عربی زبان کے مفردات اور اسالیب وتعبیرات سے آگاہی انتہائی ضروری ہے اس سلسلے میں امام مالک کا درج ذیل مقولہ بہت مشہور ہے آپ فرماتے ہیں:

''جو شخص عربی زبان کی معرفت رکھے بغیر کلام الٰہی کی تفسیر کرتا ہے اگر اسے میرے پاس لایا جائے تو میں اسے نشانِ عبرت بنا دوں گا۔''

ساتویں فصل: اس میں تفسیر قرآن کے متعلق اسباب نزول کی افادیت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے ہمارے ہاں اس کے متعلق بہت افراط وتفریط پایا جاتا ہے کچھ لوگوں کے نزدیک اسباب نزول کی کوئی اہمیت نہیں جبکہ کچھ حضرات ہر آیت کے متعلق کوئی نہ کوئی سبب نزول تلاش کر لیتے ہیں خواہ وہ خود ساختہ روایات پر ہی مشتمل ہو، اس فصل میں اسباب نزول کی پانچ اقسام کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

آٹھویں فصل: اس میں تفسیر قرآن کے متعلق اسرائیلی روایات کی حقیقت کو متعین کیا گیا ہے، واضح رہے کہ اسرائیلی روایات سے مراد یہود ونصاری کے بیان کردہ اقوال ہیں، ہمارے تفسیری ادب میں تورات وانجیل کے حوالے سے اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے، مؤلف نے اس فصل میں ان روایات کی تحقیق وتنقیح کے بعد ان کی اقسام کو تفصیل سے بیان کیا ہے نیز اس سلسلے میں چند قواعد کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے جن کا مطالعہ قرآن کے ایک طالب علم کے لیے از حد ضروری ہے۔

نویں فصل: اس میں تفسیر بالرای سے بحث کی گئی ہے جس طرح آیات کونیہ میں غور وفکر اور تحقیق سے اسرار فطرت آشکار ہوتے ہیں اسی طرح قرآنی آیات میں تدبر وتفکر

سے کلام الٰہی کے اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں، عقل واجتہاد اور غور وفکر کے ذریعے سے مطالب قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور انہیں واضح کرنا تفسیر بالرای ہے نیز اس فصل میں تفسیر بالرای المحمود کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا کہ اگر تفسیری آرا واجتہادات، کتاب وسنت، آثار سلف، کلام عرب کے اسالیب اور تفسیر بالرای کے لیے طے شدہ شروط وآداب کے موافق ہوں تو یہ تفسیر بالرای المحمود ہے، اس حصے میں تفسیر بالرای المحمود کا معنی ومفہوم اور شروط وآداب پر بحث کی گئی ہے نیز اس کی جائز وناجائز حدود کا تعین کیا گیا ہے، رائے محمود اور رائے مذموم کے درمیان حد فاصل کی وضاحت کی گئی ہے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تفسیر القرآن میں عقل واجتہاد کے لیے کیا شروط وآداب ہیں۔

دسویں فصل: تفسیر بالرای المذموم: اگر تفسیری آرا قوانین لغت، کتاب وسنت، آثار سلف اور تفسیر بالرای کے لیے طے کردہ شروط وآداب کے منافی ہوں تو یہ تفسیر بالرای المذموم ہے اور اس کے منع وحرام ہونے پر تمام مفسرین وفقہاء کا اجماع ہے، اس حصے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تفسیر القرآن میں رائے کا غلط استعمال کن مقاصد کے پیش نظر کیا جاتا ہے نیز اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں اور ایسی تفسیر کو پہچاننے کی علامات کیا ہیں اور ایسے مفسرین کا طریقہ واردات کیا ہوتا ہے، ہمارے رجحان کے مطابق جدید دور میں تفسیر بالرای المذموم کے پیچھے بھی قدیم معتزلہ کے نظریات کارفرما ہیں۔ واللّٰہ المستان۔

گیارویں فصل: یہ فصل سائنس اور تفسیر القرآن پر محتوی ہے اس کے متعلق اہل علم کی دو آرا ہیں کچھ علماء اس کی تائید کرتے ہیں جبکہ بعض حضرات اس کے برعکس دلائل دیتے ہیں، مؤلف نے اس سلسلے میں ایک معتدل اور متوازن رائے کی نشاندہی کی ہے اور سائنسی تفسیر کی شروط اور اس کے آداب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے ہر طالب علم کے لیے قابل مطالعہ ہے۔

برخوردار عزیز القدر مؤلف نے مجھے یہ گراں قدر مبارک تالیف کچھ عرصہ قبل نظر ثانی کے لیے دی تھی، میں نے سفر وحضر میں اسے اپنے ہمراہ رکھا، جہاں وقت ملتا بڑی باریک بینی کے ساتھ اسے زیر مطالعہ لاتا، دوران مطالعہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مؤلف نے

اس تالیف کی خاطر تفسیر اور اصول تفسیر سے متعلق بے شمار کتب کو پرکھا، پھر دن رات ایک کر کے محنت اور عرق ریزی سے اسے مرتب کیا ہے، عربی کا ایک محاورہ ہے۔

"من سھرا للیالی وجداللوالی"

جو شخص کسی کام کے لیے محنت کرتے ہوئے کئی راتیں بیدار رہتا ہے وہ بالآخر موتیوں کی مالا حاصل کر لیتا ہے، بلاشبہ یہ تالیف قیمتی اور نادر موتیوں کی ایک لڑی ہے جو دینی مدارس کے منتہی طلبہ، اساتذہ اور دورات تفسیر کے فاضل طلباء وطالبات کے لیے ایک اکسیر اور خاصے کی چیز ہے۔ میں نے متعدد مرتبہ اسے اول تا آخر پڑھا، بعض مقامات پر حک واضافے اور کہیں کہیں اسلوب اور انداز بیان کی اصلاح کا مشورہ دیا جسے برخوردار نے بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش وکاوش کوثمر آور، نفع بخش اور ذریعۂ نجات بنائے نیز ان کے والدین کریمین خصوصًا پدر محترم، میرے محسن ومربی شیخ الحدیث محمد یوسف رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

ایں دعا از من وز جملہ اصحاب آمین یاد

تاریخ	طلب الدعات
10 دسمبر 2015 / 27 صفر ۱۴۳۷ھ	ابو محمد عبدالستار الحماد
بروز جمعرات بوقت 3 بجے رات	مرکز الدراسات الاسلامیہ
0300-4178626	سلطان کالونی میاں چنوں

فصل 1:

بنیادی اصطلاحات

① اصول کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

① کسی بھی چیز کے سب سے نچلے حصے کو "أَصْلٌ" کہتے ہیں۔ علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں: "الأَصْلُ: أَسْفَلُ كُلِّ شَيْءٍ"①

② "اصل" کی جمع اُصول ہے۔ اس کی جمع مکسر اُصول کے علاوہ اور کوئی نہیں لائی جاتی۔ امام ابن منظور لکھتے ہیں:

"الأَصْلُ: أَسْفَلُ كُلِّ شَيْء و جَمْعُهُ أُصُوْلٌ، لَا يُكَسَّرُ عَلَى غَيْرِ ذٰلِكَ"②

③ طے شدہ ضابطے کو "أَصْلٌ مُؤَصَّلٌ" کہتے ہیں۔③

④ پختہ رائے کے مالک انسان کو "رَجُلٌ أَصِيْلُ الرَّأْيِ" کہتے ہیں۔ "أَصُلَ أَصَالَةً" پختہ رائے والا ہونا۔ امام جوہری لکھتے ہیں: "رَجُلٌ أَصِيْلُ الرَّأْيِ، أي: مُحْكَمُ الرَّأْيِ، وَقَدْ أَصُلَ أَصَالَةً، مِثْلُ: ضَخُمَ ضَخَامَةً"④

⑤ خاندانی شرافت اور حسب ونسب کو بھی عربی زبان میں "أصل" کہتے ہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں: "لَا أَصْلَ لَهُ وَلَا فَصْلَ، الأَصْلُ الحَسَبُ، وَالفَصْلُ اللِّسَانُ"⑤ یعنی نہ اسے نسبی شرافت حاصل ہے اور نہ لسانی۔

---

① القاموس المحیط، فیروز آبادی، ۲/ ۱۲۷۲۔ ② لسان العرب، ابن منظور الافریقی، ۱/ ۱۸۔ ③ تاج اللغة و صحاح العربية، الجوهری، ٤/ ١٦٢۔
④ ایضًا۔ ⑤ القاموس المحیط، الفیروز آبادی، ۲/ ۱۲۷۲۔

⑥ کسی چیز کے کل اور مجموعے کو ''الأصيلة'' کہتے ہیں۔اس معنی میں عرب لوگ کہتے ہیں: ''أَخَذْتُ الشئَی بِأَصِيْلَتِهِ، أی كُلَّه بِأَصْلِهِ''[1] یعنی میں نے وہ چیز بنیاد سمیت کلی طور پر حاصل کر لی۔

⑦ دیوار اور پہاڑ کی بنیاد میں بیٹھنے کو کہتے ہیں: ''قَعَدَ فِي أَصْلِ الْجَبَلِ وَأَصْلِ الْحَائِطِ''[2]

⑧ بعض دفعہ دوام اور استمرار کے معنی پر بھی دلالت کرتا ہے۔کہتے ہیں: ''اِنَّ النَّخْلَ بِأَرْضِنَا لأَصِيلٌ'' اس کا معنی امام زمخشری لکھتے ہیں: ''أی، هُوَ لَا يَزَالُ بَاقِيًا لَا يَفْنیٰ''[3] یعنی: ہماری سرزمین میں کھجوریں بدستور باقی ہیں، ختم نہیں ہوئیں۔

⑨ کسی چیز کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کو ''أَصَّلَ الشَّئَ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''أَصَّلَ الشئی، جَعَلَ له أصلا ثابتا يُبْنیٰ عليه''[4]

⑩ کسی چیز کو بنیاد سے اکھاڑ دینے کے لیے: ''اِسْتَأْصَلَ'' استعمال ہوتا ہے۔ ''استأصَلَ الشئی، أی، نَزَعَهٗ بِأَصْلِهِ''[5] یعنی اس نے جڑ سمیت اکھاڑ دیا۔

⑪ عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت کو بھی ''أصيل'' کہتے ہیں۔ ''أصيل'' کی جمع ''أُصُلٌ'' اور ''آصَال'' ہے، ''أَصَائِلُ'' اور ''أُصْلَانٌ'' بھی مستعمل ہے۔جیسے ''بعير'' کی جمع ''بُعْران۔''[6]

⑫ عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت میں داخل ہونے کو ''أَصَّلَ'' کہتے ہیں۔ ''أَصَّلْنَا''، ''دخلنا فی الأصيل'' عرب لوگوں نے اگر کہنا ہو کہ ہم عصر سے مغرب کے دوران پہنچے تو کہتے ہیں: ''أَتَيْنَا مُؤَصِّلِيْنَ''[7]

⑬ سانپوں کی ایک بدترین اور زہریلی قسم کو ''أَصَلَةٌ'' کہتے ہیں۔اس معنی میں اس کی

---

① تاج اللغة و صحاح العربية، الجوهری، ٤/ ١٦٢٣۔ ② أساس البلاغة، الزمخشری، ص،٧۔ ③ ايضًا۔ ④ المعجم الوجيز ، مجمع اللغة بالقاهرة، ص، ٣٢۔ ⑤ ايضًا۔ ⑥ الصحاح، للجوهری، ٤/ ١٦٢٣۔ ⑦ ايضًا۔

جمع "أَصَلٌ" مستعمل ہے۔ دجال کے بارے حدیث شریف میں آتا ہے: "كَأَنَّ رَأْسَهُ أَصَلَةٌ"① یعنی اس کا سر گندے زہریلے سانپ کی طرح ہوگا۔

قرآن مجید میں استعمالات

① لفظ "أصول" جمع کے طور پر قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (الحشر: ٥)

"تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کو اپنی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے۔"

② "أصول" کا واحد "أصل" ہے۔ بطور مفرد یہ لفظ قرآن مجید میں دو مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر پاکیزہ درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے، جب کہ دوسرے مقام پر جہنمی درخت کی جڑ اور بنیاد کے لیے۔

کلمہ طیبہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ (ابراهيم: ٢٤)

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے، جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں۔"

دوسرے مقام پر جہنم میں اگنے والے درخت "زقوم" کے بارے میں فرمایا:

---

① مسند احمد، ١/ ٢٤٠، ٣١٣، دیکھیے: النهاية في غريب الحديث، ابن الأثير، ١/ ٦٤ (باب الهمزه مع الصاد)، الفائق في غريب الحديث، للزمخشري، ١ / ١٣٧، ١٣٨۔

﴿ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴾ (الصفت:٢٤)

''بتحقیق وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ میں نکلتا ہے۔''

③ اس مادہ سے قرآن مجید میں ''أصیل''اور''آصال''[1] بھی مستعمل ہے، بمعنی: عصر سے مغرب تک کا وقت۔

تجزیہ

① وہ بنیاد اور سب سے نچلا حصہ جس پر کوئی دوسری چیز قائم ہو اسے ''أصل'' کہتے ہیں، اور اس کی جمع ''أصول'' ہے۔

② اس میں پختگی اور استحکام کا معنی پایا جاتا ہے۔

③ اس میں دوام و استمرار کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔

④ اس کے بعض لغوی استعمالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں توارث کا عنصر بھی شامل ہے۔

⑤ اس لفظ میں ''کلیت'' کا مفہوم بھی ہے۔یعنی کسی چیز کا مکمل، پورا اور اپنے تمام اجزا پر محیط ہونا بھی اس کے بعض لغوی استعمالات میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ سابق الذکر استعمالات میں پانچویں مثال سے واضح ہے۔

درج بالا چند استعمالات سے لفظ ''أصول'' کے لغوی پس منظر پر بڑی واضح روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ لغوی لحاظ سے بھی اصول تفسیر سے مراد وہ بنیادیں ہیں جن پر تفسیر کی عمارت قائم ہے۔ ان بنیادوں میں کلیت، دوام و استمرار، توارث اور پختگی و استحکام کے اجزا ترکیبی شامل ہونے چاہییں۔

علماء کے عرف و استعمالات کے مطابق اصول کے معانی

علما کے استعمالات کے مطابق ''أَصْلٌ واصول''[2] درج ذیل معانی میں مستعمل ہیں:

---

[1] دیکھیے،الفرقان:٥، الاحزاب: ٤٢، الفتح:٩؛ الاعراف: ٢٠٥۔

[2] الوجیز فی أصول الفقه، عبدالکریم زیدان، ص:٨۔

① بمعنی دلیل: کہتے ہیں: أصل هذه المسئلة الإجماع ، یعنی اس مسئلہ کی دلیل اجماع ہے۔

② بمعنی قاعدہ: جیسے علم نحو میں کہتے ہیں: الأصل أن الفاعل مرفوع، یعنی قاعدہ یہی ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے۔

③ بمعنی حالت اصلی: (استصحاب) اصول فقہ میں کہتے ہیں: الأصل براء ة الذمة، یعنی انسان کی حالت طبعی واصلی برأت ذمہ ہے۔

④ راجح: کہتے ہیں: الكتاب أصل بالنسبة إلى القياس، یعنی قیاس کے بالمقابل قرآن مجید راجح وقوی ہے۔

② تفسیر کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لفظ ''تفسیر'' فَسَّرَ يُفَسِّرُ ثلاثی مزید فیہ، باب تفعیل سے مصدر ہے۔ اس کا اصل مادہ ''فسر'' (فاء، سین، راء) ثلاثی مجرد میں بھی مستعمل ہے۔ فَسَرَ يَفْسِرُ بروزن ضَرَبَ يَضْرِبُ اور فَسَرَ يَفْسُرُ بروزن نَصَرَ يَنْصُرُ دونوں ابواب میں یہ مادہ مستعمل ہے۔

لغوی لحاظ سے تفسیر کی درج ذیل اہم تعریفیں کی گئی ہیں۔

امام سیوطی کی تعریف

''اَلتَّفْسِيْرُ تَفْعِيْلٌ مِنَ الْفَسْرِ وَهُوَ الْبَيَانُ وَالْكَشْفُ وَيُقَالُ هُوَ مَقْلُوْبُ السَّفَر، تَقُوْلُ: أَسْفَرَ الصُّبْحُ اِذَا أَضَآءَ، وقِيْلَ: مَأْخُوْذُ مِنَ التَّفْسِرَةِ وَهِيَ اِسْمٌ لما يَعْرِفُ بِهِ الطبيبُ الْمَرَضَ۔''[1]

لفظ تفسیر ''فسر'' سے ماخوذ ہے۔ واضح کرنے اور کھولنے کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ''سفر'' سے مقلوب ہے، آپ کہتے ہیں '' أسفر الصبح'' یعنی صبح روشن ہوگئی، ایک اور قول کے مطابق یہ ''تَفْسِرَہ'' سے ماخوذ ہے۔ اور ''تفسرہ'' سے مراد وہ اشیا ہیں جن کے ذریعے طبیب مرض کو پہچانتا ہے۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، ۲/ ۱۷۳۔

امام اللغۃ، الجوہری کی تعریف

''الفَسْر:البیان وقد فَسَرت الشئی أَفسِرُہ بالکسر فَسْراً وَالتَّفسِیْر مِثلُہ، وَاستَفْسَرْتُہ کذا، أی: سَألتُہ أن یُفَسِّرہ لی۔ والفسر نظر الطبیب الی الماء، و کذالك التَّفْسِرۃُ وَ أَظُنُّہ مُوَلَّداً۔'' ①

''فسر'' کے معنی بیان کے ہیں، ''فَسَرْتُ أَفْسِرُ، فَسْراً'' بروزن ضرب یضرب اور تفسیر بھی یہی چیز ہے۔ ''استفسرته کذا'' یعنی میں نے اس سے فلاں چیز کی وضاحت طلب کی۔ طبیب جب پانی کا معائنہ یا تجزیہ کرتا ہے تو اسے ''فسر'' کہتے ہیں۔ تفسرہ بھی اسے یعنی معائنہ کو کہتے ہیں۔ اور میرے خیال میں ''تفسرۃ'' جدید استعمال ہے (اور متاخرین کی اصطلاح ہے)

امام لغت ابن منظور کی تحقیق

''الفَسْرُ: البیان، فَسَر الشئَی یَفْسِرُہ بالکسر، وَیَفْسُرُہ بالضم فَسْرا فَسَرہ، أبانہ، والتَّفْسِیْرُ مِثْلُہ، قال ابن الأعرابی: التفسیر و التأویل والمعنی واحد۔ وقولہ عزوجل: ﴿وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا﴾ الفَسْرُ کَشْفُ المُغَطّٰی وَالتَّفْسِیْرُ کَشْفُ المراد عن اللفظِ المُشکِلِ۔'' ②

''فَسْر'' بمعنی بیان ہے، یہ ''فَسَرَ یَفْسِرُ'' اور ''یَفْسُرُ'' عین کے ضمہ و کسرہ دونوں سے مستعمل ہے۔ ''فَسَرَہٗ'' یعنی اس نے اسے واضح کر دیا۔ تفسیر اس کے ہم معنی ہے۔ ابن الاعرابی کے بقول تفسیر و تاویل کا ایک ہی معنی ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا﴾ ''یعنی بہترین وضاحت'' ''فسر'' بند چیز کا کھولنا اور ''تفسیر'' مشکل الفاظ کے مرادی معنی کو کھولنا۔''

---

① دیکھیے! الصحاح، للجوھری، ۲/ ۷۸۱، المصباح المنیر، للفیومی، ص ۱۸۰ لسان العرب (مادۃ فسر) ۲/ ۱۰۹۵، معجم مقاییس اللغۃ، ابن فارس، (مادۃ فسر) ۴/ ۵۰۴، القاموس المحیط فیروز آبادی، (مادہ فسر)، ۱/ ۶۳۶۔

② لسان العرب، ابن منظور الافریقی، ۲/ ۵۴۔

امام ابن جوزی کی تعریف

"إِخْرَاجُ الشَّيْءِ من مَّقَامِ الخَفَاءِ إِلى مَقَامِ التَّجَلِّيْ۔" ①

کسی چیز کو مقام خفا سے مقام ظہور تک لانا تفسیر کہلاتا ہے۔

لفظ تفسیر کا استعمال قرآن مجید میں

قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ (الفرقان : ٣٣)

"اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی) بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اس کا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں۔"

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے درج بالا آیات میں تفسیر کا معنی تفصیل کیا ہے۔ ②

امام زمخشری لکھتے ہیں:

"وَلَمَّا كَانَ التَّفْسِيْرُ هُوَ الْكَشْفُ عَمَّا يَدُلُّ عليه الكَلَامُ وُضِعَ مَوْضِعَ معناه فقالوا: تَفْسِيْرُ هذا الكَلَامِ كَيْتَ وَ كَيْتَ، كما قيل مَعْنَاهُ كَذَا وَ كَذَا" ③

جس چیز پر کلام دلالت کرے اسے کھولنا اور واضح کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔ اس لیے تفسیر کشف کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں "تفسير هذا الكلام كيت و كيت" اس بات کی تفسیر اس اس طرح سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "معناه كذاو كذا" اس کا مفہوم یہ اور یہ ہے۔

لفظ تفسیر کا استعمال حدیث میں

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كَانَ أَهْلُ الْكِتابِ يقرءونَ التَّوراةَ بالعِبْرانية، و يُفَسِّرُوْنَهَا بالعَرَبِيةِ لأهل الاسلام، فقال رسول

---

① زاد المسير، ابن الجوزى، ١/ ٤۔ ② تفسير الطبرى، ١١/٩۔
③ الكشاف، ٢/ ٤٠٨۔

اللّٰہ ﷺ: لَا تُصَدِّقُوْا اهل الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوْا وَقُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ ①

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب تورات عبرانی میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تشریح عربی میں پیش کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اہل کتاب کی نہ تصدیق ہی کیا کرو اور نہ تکذیب، بلکہ کہا کرو: ہم اللہ پر ایمان لائے، اس پر بھی جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔''②

اس حدیث میں تفسیر بمعنی ترجمہ وتشریح ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَتْ آيَةُ الرِّبَاء، و ان رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَ لَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَاء وَالرَّيْبَةَ'' ③

آیت ربا سب سے آخر میں نازل ہوئی، رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے جب کہ آپ نے ہمارے لیے اس کی تشریح نہیں فرمائی تھی، لہٰذا تم سود اور شک کو چھوڑ دو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر میں تفسیر سے مراد احکام ومسائل کی وضاحت ہے۔

امام راغب کی تحقیق

''الفَسْر والسَّفَر يتقارب معناهما كتقارُبِ لَفْظَيْهِمَا''④ یعنی فسر اور سفر دونوں کا معنی قریب قریب ہے جیسا کہ دونوں کا تلفظ ملتا جلتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

''الفَسْرُ اِظْهَارُ الْمَعْنٰى الْمَعقولِ ومنه قِيلَ لما يُبْنٰى عليه البول تَفْسِرَةٌ وَسُمِّيَ بها قارورةُالماء والتفسيرُ فى المبالَغَةِ كالفَسْرِ''⑤

① صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ: ((لا تسألوااهل الكتاب عن شئى)) حدیث ۷۳٦۱۔ص ۱۲٦٦، دیکھیے، حدیث ٤٤٨٥۔۷٥٤٢۔
② صحیح البخاری: ٤٤٨٥۔ ③ سنن ابن ماجه، ابواب التجارات، باب التغليظ فی الربا، حدیث ۲۲۷٦، ص ۳۲٥۔ ④ مفردات القرآن، ۲/ ۷۰٤۔ ⑤ ایضًا۔

قابلِ فہم معنی کے اظہار کو "فسر" کہتے ہیں۔ اس معنی میں پیشاب کے تحلیل و تجزیہ کو "تفسرہ" کہا جاتا ہے۔ پانی کی شیشی (جس پر تحلیل و تجزیہ کیا جائے) کو بھی تفسرہ کا نام دیا گیا ہے۔ "تفسیر، فسر" کے ہم معنی مبالغہ میں مستعمل ہے۔

تجزیہ

① تفسیر باب تفعیل سے مصدر ہے۔

② اس کا اصل مادہ "فسر" ثلاثی مجرد میں بھی مستعمل ہے۔ نیز ثلاثی مجرد کے دو ابواب ضَرَبَ یَضْرِبُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ کے وزن پر مستعمل ہے۔

③ "فسر" وضاحت، تشریح اور نقاب کشائی کا معنی دیتا ہے۔

④ "كثرة المباني تدل على كثرة المعاني" حروف میں اضافہ، مفاہیم میں اضافہ پر دلالت کرتا ہے، کے اصول کے تحت تفسیر میں خوب وضاحت اور تشریح کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

⑤ محسوسات یا معنویات ہر دو کی وضاحت کے لیے یہ مادہ مستعمل ہے۔

⑥ مادی اشیا کی نقاب کشائی کے لیے "فسر" ثلاثی مجرد زیادہ مستعمل ہے، جیسے "فَسَرَ عن ذِرَاعِهِ" اس نے کلائی سے کپڑا اٹھایا، "فَسَرَ الطبيبُ الماءَ" طبیب نے پانی کا تجزیہ کیا۔

⑦ معنوی اشیا کی وضاحت کے لیے ثلاثی مزید فیہ "تفسیر" زیادہ مستعمل ہے اسی بنا پر الفاظ، کلمات اور عبارت کی تشریح کے لیے لفظ "تفسیر" زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، کلام کی وضاحت کے لیے "فسّر الکلام" کہتے ہیں، معنی کی تشریح کے لیے "فَسَّرَ المعنی" استعمال کرتے ہیں۔ معنوی اشیا کے لیے بالعموم ثلاثی مجرد "فسر" استعمال نہیں کرتے۔

⑧ قرآن مجید میں معنی و مفہوم کی وضاحت کو تفسیر کہا گیا ہے۔

⑨ حدیث میں آسمانی کتاب کے ترجمہ و تشریح کو تفسیر کہا گیا ہے۔ نیز کسی آیت کے

تفصیلی احکام ومسائل بیان کرنے کو بھی تفسیر کہا گیا ہے۔

⑩ فرمان رسول اللہ ﷺ کی تشریح وتوضیح کو بھی آثار میں تفسیر کہا گیا ہے۔

⑪ بعض کے نزدیک لفظ "تفسیر" "فسر" سے مشتق ہے۔ جب کہ بعض کے نزدیک یہ "سفر" سے مقلوب ہے اور بعض کے نزدیک "تفسرہ" سے مشتق ہے۔

⑫ مقالہ نگار کی رائے میں لفظ "تفسیر" "فسر" سے مشتق ہے، کیونکہ باقی دونوں اقوال کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم کے اعتبار سے "تفسیر" کا اطلاق ہر قسم کی وضاحت پر ہوتا ہے، لیکن اہل علم کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآن مجید کی تشریح وتفہیم کے ساتھ مخصوص ہے حتیٰ کہ حدیث رسول کی تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاتا بلکہ شرح الحدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی وضاحت کرنے والے کو "مفسر" کہا جاتا ہے، اور احادیث نبویہ کی وضاحت کرنے والے کو "شارح حدیث"

تفسیر کی فنی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ اس بارے میں متعدد تعریفات منقول ہیں۔ ①

علامہ زرکشی کی تعریف

"التفسیر عِلْمٌ یُعْرَفُ به کتابُ اللّٰه الْمُنَزَّلُ عَلٰی نَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ ﷺ وبیانُ مَعَانِیهِ واسْتِخْرَاجُ أَحْکَامِهٖ وَحِکَمِهٖ" ②

تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے سے اللہ کی کتاب کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ وہ کتاب جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل شدہ ہے، نیز اس علم کے ذریعے

---

① دیکھئے: البحر المحیط، لابی حیان، ۱/ ۱۳- ۱٤، الاتقان، للسیوطی، ص ۷٤۸، التعریفات، للجرجانی، ص ۹۱، روح المعانی، آلوسی البغدادی، ۱/ ٤ ، کشاف اصطلاحات الفنون، تهانوی، ۱/۳۳ التحریر والتنویر، لابن عاشور، ۱/ ۱۱۔

② البرهان فی علوم القرآن للزرکشی، ص۲۹۔

سے کتاب کے معانی و مفاہیم کی تشریح کی جاتی ہے اور اس کے احکام و مسائل اور حکمتوں کا استنباط کیا جاتا ہے۔

اس تعریف کے مطابق علم تفسیر وہ علم ہے جس میں یہ چار خصوصیات پائی جاتی ہوں۔

① قرآن مجید کا عمومی فہم حاصل ہو۔

② قرآن مجید کے معانی ومطالب کی تشریح ہو۔

③ قرآنی احکام و مسائل کا استنباط ہو۔

④ معانی قرآن کے حکم ومصالح آشکارا ہوں۔

مفسر قرآن ابوحیان الاندلسی کی تعریف

"التفسير عِلْمٌ يُبْحَثُ فيه عن كيفيَّةِ النُّطْقِ بألْفَاظِ القُرآنِ وَمَدْلُولَاتِهَا وَأَحْكَامِهَا الإفْرادِيَّةِ وَالتَّرْكِيْبِيَّةِ وَمَعَانِيْهَا الَّتِيْ تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيْبِ وَتَتِمَّاتٌ لِّذَالِكَ" ①

"علم تفسیر" وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، ان کے معانی و مفاہیم، ان کے افرادی و ترکیبی احکام زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ نیز ان معانی ومطالب پر بحث کی جاتی ہے جو ترکیبی حالت میں ان الفاظ سے مراد ہوتے ہیں۔ ان کے تکمیلی پہلو بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

یہ تعریف اس لحاظ سے بہت جامع ہے کہ علم تفسیر نے اپنی مدون شکل میں جو ارتقائی مراحل طے کیے اور جو جو علوم اس کی خدمت کے لیے شامل ہوتے گئے۔ اس تعریف میں

---

① البحر المحیط ۱/۱۳۔۱۴، یہ تعریف بنیادی طور پر امام ابو حیان الاندلسی متوفی ۷۵۴ ہجری کی ہے۔ ان سے علامہ محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۳۰۴ ہجری نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں درج کی۔ مولانا تقی عثمانی نے اپنی مایہ ناز کتاب "علوم القرآن" میں روح المعانی کے حوالے سے یہ تعریف نقل کی ہے، (علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ۳۲۴) جب کہ مولانا گوہر رحمان نے بجا طور پر اسے ابو حیان کی طرف منسوب کیا ہے (علوم القرآن، گوہر رحمان، ص ۲/ ۲۱۴) امام سیوطی نے بھی الاتقان میں اس تعریف کو ابو حیان کی طرف منسوب کیا ہے۔ (الاتقان، ص ۷۶۸)۔

مدون علم تفسیر کا جامع تعارف کروایا گیا ہے۔ اس حوالے سے مولانا تقی عثمانی نے اسی تعریف کو پسند فرمایا ہے۔ ①

جب کہ مولانا گوہر رحمان نے بھی اسے منتخب تعریفات میں شامل کیا ہے۔ ②

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اشیا پر مشتمل ہے:

① الفاظ قرآن کی ادائیگی کا طریقہ

یعنی الفاظ قرآن کو کس کس طریقے سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہمارے مفسرین بالعموم ہر آیت کے ذیل میں قراءات نقل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک مستقل علم ''علم القراءت'' کے نام سے موجود ہے جو کہ تفسیر قرآن کے اس پہلو کی خدمت میں نمایاں اہمیت کا حامل ہے اور ملت اسلامیہ میں تواتر سے چلا آ رہا ہے۔ قراءت کا جاننا علم تفسیر میں اس لیے اہم ہے کہ ان کے ذریعے سے الفاظ کے معانی و مفاہیم پر روشنی پڑتی ہے اور قراءت کے اختلاف سے بعض اوقات معانی کے تعین پر بھی اثر پڑتا ہے۔

② الفاظ قرآن کے لغوی مدلولات و مفاہیم

اس کے لیے عربی لغت سے پوری طرح باخبر ہونا ضروری ہے اور اسی بنا پر تفسیر کی کتابوں میں علماء لغت کے حوالے اور شعری شواہد کا اچھا خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔

③ الفاظ کے انفرادی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ اس کا مادہ کیا ہے؟ یہ موجودہ صورت میں کیسے بنا ہے؟ اس کا وزن کیا ہے؟ اور اس وزن کے معانی و خواص کیا ہیں؟ ان باتوں کے لیے علم صرف کی ضرورت پڑتی ہے۔

④ الفاظ کے ترکیبی احکام

یعنی ہر لفظ کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر ایک خاص جملے کی شکل میں کیا معنی دے رہا ہے؟ اس کی نحوی ترکیب Grammatical Analysis کیا ہے؟ اس خاص ترکیب کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس کی بناوٹ اور تقدیم

---

① علوم القرآن، ص، ٣٢٤۔ ② علوم القرآن، ٢/ ٢١٤۔

وتاخیر کن معانی پر دلالت کناں ہے؟ اس کے لیے علم نحو اور معانی بنیادی مواد فراہم کرتے ہیں۔

⑤ ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی

یعنی پوری آیت اپنے سیاق و سباق میں کیا مفہوم پیش کر رہی ہے؟ فحوائے کلام کیا ہے؟ اس مقصد کے لیے دیگر کئی علوم صرف ونحو، ادب و بلاغت اور حدیث وفقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

⑥ تتمات

یعنی آیات قرآن کا پس منظر، اسباب نزول اور نسخ وغیرہ۔ ①

تجزیہ

مفسرین، ماہرین علوم القرآن اور محققین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علم تفسیر کی تعریف کی ہے، اکثر تعریفات لفظی طور پر مختلف ہیں، معنی ومراد کے لحاظ سے ملتی جلتی ہیں۔ بعض تعریفات میں اختصار ہے اور بعض میں تفصیل۔ بعض میں مقصد تفسیر پر زور دیا گیا ہے اور بعض میں طریقۂ تفسیر ومضامین تفسیر پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ علم تفسیر کی تعریف غیر ضروری امر ہے کیونکہ دیگر علوم کے برعکس اس کی مباحث طے شدہ نہیں ہیں، اس کی پہچان کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ کلام الٰہی کی تشریح کا نام ہے۔ ②

مقالہ نگار کی رائے میں عبدالعظیم زرقانی کی درج ذیل تعریف کو اختصار، جامعیت و مانعیت کی بنا پر بہترین تعریف قرار دیا جاسکتا ہے۔ ③

---

① دیکھیے: علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ۳۲۳۔ ۳۲۵،علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲/ ۲۱۴۔۲۱۶۔ ② التفسیر والمفسرون، للذھبی، ۱/ ۱۳۔

③ عرب دنیا کے ماہر علوم القرآن جناب خالد عثمان السبت، پاکستان کے معروف بزرگ، ماہر علوم القرآن مولانا گوہر رحمان نے بھی اس تعریف کو سب سے بہتر جامع، مانع قرار دیا ہے۔ دیکھیے: قواعد التفسیر جمعاً و دراسۃ، ۱/۲۹، علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲/ ۲۱۶)

"عِلْمٌ يُبْحَثُ فيه عن القرآنِ الكريمِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتِهِ عَلَى مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالىٰ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ۔"

"تفسیر وہ علم ہے جس میں بشری طاقت وصلاحیت کے بقدر قرآن کریم کو اس حیثیت سے زیر بحث لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتا ہے۔"

③ تاویل اور تفسیر

قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح کے لیے تفسیر کے علاوہ تاویل کا لفظ بھی بکثرت مستعمل رہا ہے۔

محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی اولین تفسیر کا نام "جامع البيان عن تأويل اى القرآن" رکھا ہے، آیات کی تفسیر میں بھی ان کے ہاں لفظ تاویل ہی جا بجا مستعمل ہے۔ آیت کے ذیل میں عموماً لکھتے ہیں۔ "تأويل قوله عزوجل" ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کا نام "تأويل مشكل القرآن" رکھا ہے۔

قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر کا نام "أنوار التنزيل وأسرار التأويل" رکھا ہے۔ خود قرآن مجید نے بھی اپنی تفسیر کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۷) "حالانکہ مراد اصلی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

چونکہ یہ لفظ تفسیر کی جگہ پر مستعمل ہے اس کی لغوی واصطلاحی وضاحت بھی ضروری ہے۔

تاویل باب "تفعیل" سے مصدر ہے جس کا ماخذ "أول" ہے جو آل یؤول کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے اور درج ذیل معانی میں مستعمل ہے۔①

فہم وفراست اور سیاست: یہ ثلاثی مجرد سے اس معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔ اس معنی میں کہتے ہیں: "آلَ الرَّعِيَّةَ يَؤُوْلُهَا إِيَالَةً حَسَنَةً وَهُوَ حَسَنُ الإِيَالَةِ" اس نے رعایا پر بہترین سیاست کی۔

زیاد نے اپنے خطاب میں کہا تھا:

"قَدْ أُلْنَا وَإِيْلَ عَلَيْنَا أي سُسْنَا وَ سِيسْنَا"②

① أساس البلاغة، للزمخشري، ص ۱۲ (مادة أول)۔ ② أساس البلاغة، ص: ۱۲۔

یعنی ہم نے سیاست کی اور ہم پر سیاست کی گئی۔

① کفالت وسرپرستی: جب "علیٰ" کے صلہ کے ساتھ ہو تو یہ معنی دیتا ہے۔"آلَ عَلَی الْقَوْمِ، ولیھم"[1] "اس نے قوم کی سرپرستی کی۔"

② واپس لوٹنا، لوٹانا، کہتے ہیں: اَوَّلَ الْحُکْمَ اِلٰی اَھْلِہٖ۔ اس نے فیصلہ لوگوں کی طرف لوٹا دیا۔ جس کی کوئی چیز گم ہو جائے تو اسے دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ اَوَّلَ اللّٰہُ عَلَیْكَ، اَیْ: رَدَّ عَلَیْكَ ضَالَّتَكَ۔[2] اللہ تجھے تیری گمشدہ چیز واپس لوٹائے۔

③ نتیجہ، انجام: اس معنی میں کہتے ہیں: لاَ تُعَوِّلُ عَلَی الْحَسَبِ تَعْوِیْلاً فَتَقْوَی اللّٰہِ أَحْسَنَ تَأْوِیلاً"[3]

حسب پر بھروسا مت کیجیے تقویٰ باعتبار انجام سب سے بہتر چیز ہے۔

④ کم ہونا: "طَبَخْتُ الدَّوَاءَ حَتّٰی آلَ الْمَنَّانَ مِنْہُ اِلٰی مَنٍّ وَّاحِدٍ۔"[4] میں نے دوا کو اس قدر پکایا کہ دو من سے کم ہو کر بالآخر ایک من رہ گئی۔

⑤ نشانات دیکھنا: "تأملته فتأولت فيه الخير"[5]

میں نے اس میں غور کیا ہے اور اس میں خیر ہی دیکھی ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ علامات وآثار کے ذریعے سے کسی نتیجہ پر پہنچنے کو بھی تاویل کہتے ہیں۔

⑥ غور وفکر کرنا اور تشریح کرنا: "أَوَّلَ الْکَلاَمَ تَأْوِیْلاً وَ تَأَوَّلَہٗ، دَبَّرَہٗ وَقَدَّرَہٗ وَفَسَّرَہٗ"[6]

اس نے کلام کو مرتب ومنظم کیا اور اس کی تشریح کی۔

⑦ اصلاح کرنا اور مال وغیرہ کا بطریق احسن استعمال کرنا: "آلَ المَالَ، أَصْلَحَہ وسَاسَہ۔"[7]

اس نے مال کی اصطلاح کی اور اسے اچھے طریقے سے استعمال کیا۔

---

① القاموس المحیط الفیروز آبادی، ۲/ ۱۲۷۵۔ ② أساس البلاغة، ص ۱۲۔
③ ایضًا۔ ④ أساس البلاغة، ص: ۱۲۔ ⑤ ایضًا۔
⑥ القاموس المحیط: ۲/ ۱۲۷۵۔ ⑦ ایضًا۔

قرآن مجید میں لفظ تاویل کے استعمالات

قرآن مجید میں تاویل کا لفظ سترہ مقامات پر آیا ہے۔[1]

اور مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔[2]

① تاویل بمعنی تحریف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

’’وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور تاویل کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دست گاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔‘‘ (آل عمران:۷)

اس آیت مبارکہ میں راہ راست سے انحراف اختیار کرنے والے لوگوں پر تبصرہ ہے کہ وہ اپنے دل میں موجود کجروی اور زیغ وضلال کی بنیاد پر واضح، صاف اور محکم آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام تر توجہ متشابہ آیات پر صرف کرتے ہیں۔ یہ فتنہ جو لوگ اپنے باطل نظریات کو ثابت کرنے کے لیے متشابہ آیات میں تحریف کر کے اسے اپنی مرضی کا معنی پہناتے ہیں۔

---

① دیکھیے: المعجم المفہرس لألفاظ القرآن، مادہ (تأویل)۔ ② دیکھیے: علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲/ ۲۱۶، ۲۲۱۔ مولانا گوہر رحمان نے اس کے متفرق معانی پر خوب داد تحقیق دی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقوله تعالیٰ ﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ أي تحريف على ما يريدون'' فرمان باری تعالیٰ ﴿وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ سے مراد ہے، اپنی مرضی اور پسند کے مطابق تحریف۔ ①

ثابت ہوا کہ درج بالا آیت مبارکہ میں لفظ ''تأویل'' بمعنی تحریف ہے۔

② تأویل بمعنی حقیقی مفہوم

درج بالا آیت مبارکہ میں لفظ ''تأویل'' دو دفعہ الگ الگ معنی میں مستعمل ہے، پہلی مرتبہ تحریف کے معنی میں ہے اور دوسری دفعہ حقیقی مفہوم اور تفسیر کے معنی میں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اس مقام پر تأویل سے حقیقی تفسیر مراد ہے، یعنی متشابہ آیات کا اصلی معنی اور حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ②

③ تأویل بمعنی انجام ونتیجہ

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النسا: ٥٩)

''اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ﴿وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ وأحسن عاقبة ومآلاً، نتیجہ و انجام کے لحاظ سے بہترین۔ یعنی اختلافی معاملات میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف

---

① تفسیر ابن کثیر، ١/ ٤٧٨۔

② اس آیت مبارکہ میں قراء کرام کا وقف کرنے میں اختلاف ہے، بعض قراء لفظ جلالہ پر وقف کرتے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا متشابہ آیات کا مفہوم کوئی نہیں جانتا۔ بعض قراء ''والرٰسخون فی العلم'' پر وقف کرتے ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متشابہ آیات کی حقیقی تفسیر اللہ تعالیٰ اور پختہ کار اہل علم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر: ١/ ٤٨٠)

رجوع کرنا سب سے بہتر اور باعتبار انجام سب سے اچھا رویہ ہے۔

④ تأویل بمعنی خوابوں کی تعبیر

سورۂ یوسف کی متعدد آیات میں لفظ تاویل خوابوں کی تعبیر کے لیے مستعمل ہے۔[1]

تجزیہ

راقم کے نزدیک لفظ ''تاویل'' کا ترجمہ وتفسیر کرتے ہوئے مترجمین ومفسرینِ قرآن نے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کہیں تاویل کا معنی تعبیر ہے، کہیں تفسیر وتشریح، کہیں نتیجہ وانجام اور کہیں پر توجیہ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لفظ تاویل بنیادی طور پر قرآن مجید میں تفسیر و تشریح کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگر وہ تفسیر واقعہ کے مطابق ہے تو اسے ہم حقیقی مفہوم کہہ لیتے ہیں، اگر وہ کسی خواب کی تشریح ہے تو اسے ہم تعبیر کہہ لیتے ہیں، اگر وہ تفسیر حقیقت کے برعکس ہے تو اسے ہم تحریف کہتے ہیں بنیادی معنی بہرحال تفسیر وتشریح ہی قرار پاتا ہے۔

لفظ تأویل کا احادیث میں استعمال

احادیث میں تاویل کا لفظ درج ذیل معانی میں مستعمل ہے۔

① تأویل بمعنی تفسیر

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے خوب پیا، پھر میں نے بچا ہوا عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو دے دیا۔'' انہوں نے پوچھا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ،قَالَ:((اَلْعِلْم))

یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ آپ نے فرمایا: ''علم'' یہاں تاویل بمعنی تعبیر مستعمل ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ کیجیے: سورۂ یوسف، آیات نمبر ٣٦، ٣٧، ٤٤، ٤٥، ١٠٠۔ [2] صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب اللبن، حدیث (٧٠٠٦)، ص ١٢٠٨، نیز دیکھیے: حدیث ٨٢، ٧٠٠٧۔

② اصطلاحی لحاظ سے بنیادی طور پر تفسیر و تاویل میں کوئی واقعی اور حقیقی فرق نہیں تھا۔ متقدمین کے ہاں اس لیے دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل تھے۔

متاخرین کے ہاں لفظ تفسیر زیادہ مستعمل ہے اور تاویل نسبتاً بہت کم اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، علم الکلام و دیگر علوم کے ارتقاء کے ساتھ فقہاء، محدثین اور متکلمین کی لغت میں تاویل بمعنی تفسیر تقریباً متروک ہو گیا اور انہوں نے اپنی علمی و فنی اور اصطلاحی ضروریات کے پیش نظر لفظ ''تاویل'' کو بطور اصطلاح ایک نئے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان سب کے نزدیک تاویل کا جدید فہم یہ قرار پایا ''صرف اللفظ عن المعنى الراجح الى المعنى المرجوح'' لفظ کو غالب و راجح معنی کی بجائے مغلوب و مرجوح معنی کی طرف لے جانا۔ اگر وہ صحیح دلیل کی بنیاد پر ہو تو تاویل صحیح، بصورت دیگر تاویل فاسد ہے۔[1]

اسی بنا پر جدید فنی ضروریات کے تحت لفظ تاویل بطور اصطلاح اس معنی میں غالب و شائع ہے، حتیٰ کہ بطور اصطلاح اس کا تفسیر کے لیے استعمال نامانوس دکھائی دیتا ہے۔

[1] دیکھئے التفسیر والمفسرون، الذهبی: ۱/ ۱۶۔

④ اصطلاحی لحاظ سے بنیادی طور پر تفسیر و تاویل میں کوئی واقعی اور حقیقی فرق نہیں تھا۔
متقدمین کے ہاں اس لیے دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل تھے۔
متاخرین کے ہاں لفظ تفسیر زیادہ مستعمل ہے اور تاویل نسبتاً بہت کم اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، علم الکلام و دیگر علوم کے ارتقاء کے ساتھ فقہاء، محدثین اور متکلمین کی لغت میں تاویل بمعنی تفسیر تقریباً متروک ہو گیا اور انہوں نے اپنی علمی وفنی اور اصطلاحی ضروریات کے پیش نظر لفظ ''تاویل'' کو بطور اصطلاح ایک نئے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ان سب کے نزدیک تاویل کا جدید فہم یہ قرار پایا ''صرف اللفظ عن المعنی الراجح الی المعنی المرجوح'' لفظ کو غالب و راجح معنی کی بجائے مغلوب و مرجوح معنی کی طرف لے جانا۔ اگر وہ صحیح دلیل کی بنیاد پر ہو تو تاویل صحیح، بصورت دیگر تاویل فاسد ہے۔[1]

اسی بنا پر جدید فنی ضروریات کے تحت لفظ تاویل بطور اصطلاح اس معنی میں غالب و شائع ہے، حتیٰ کہ بطور اصطلاح اس کا تفسیر کے لیے استعمال نامانوس دکھائی دیتا ہے۔

[1] دیکھیے التفسیر والمفسرون، الذھبی: ١/ ١٦۔

فصل 2:

تفسیر بالماثور: معنی ومفہوم، ضرورت واہمیت

جس طرح قرآن مجید کا متن اپنے ایک ایک حرف، اعراب اور طرزِ ادا کے ساتھ محفوظ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے مطالب و معانی نہ صرف محفوظ بلکہ عہد نبوی میں ہی عمل کے خوبصورت سانچے میں بھی مثالی طور پر ڈھل چکے تھے۔ سب سے پہلے خود صاحب وحی نے قرآن مجید کو سمجھا ہے، اس بحر بیکراں میں غوطہ زنی کر کے اس کی تہہ تک اترے ہیں اور فکر و تدبر کی راہیں متعین کیں۔ اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وفرمودات، افعال و اعمال اور آپ کی جمیع تقریرات درحقیقت تدبر قرآن کا ماحصل ہیں۔ معلم قرآن سے صحابۂ کرام نے نہ صرف تفسیر قرآن سیکھی، بلکہ فکری ونظری، عملی و واقعاتی اور روحانی و ایمانی سطحوں پر اسے اپنی زندگی کے نقشوں میں ڈھالا اور اس کا اس قدر اہتمام کیا کہ قرآن حکیم کو نازل کرنے والی ذات ان سے خوش ہوگئی۔

منہج تفسیر بالماثور اس بات کا متقاضی ہے کہ اب رہتی دنیا تک آنے والے انسان، چاہے وہ کتنے ہی ذہین وفطین کیوں نہ ہوں، قرآن مجید کا صحیح فہم بہرحال اولین طور پر احادیث رسول اور اقوال صحابہ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآنی حقیقت کی تلاش خود صاحب قرآن کے ارشادات و افعال یا پھر قرآن کے قائم کردہ پہلے معاشرے اور صحابۂ کرام کے علم و عمل کے ذخیروں ہی میں ممکن ہے۔ منہج تفسیر بالماثور کے یہی بنیادی اصول ہیں اور تفسیر طبری سے لے کر جدید دور تک جمہور مفسرین نے اسی منہج کو اپنایا ہے۔

آئندہ صفحات میں اس منہج کی ضرورت واہمیت پر ایک عمومی تبصرہ کیا جائے گا۔[1]

---

[1] مزید تفصیلات، حوالہ جات، تفسیر القرآن بالحدیث اور تفسیر القرآن باقوال الصحابہ پر مستقل تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا اصل مقالہ: ''برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج و اثرات کا تجزیاتی مطالعہ'' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل مقالے کو بھی شائع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین)

تفسیر بالمأثور کا لغوی مفہوم

① عربی زبان میں ''نشان'' کو ''أَثَرٌ'' کہتے ہیں۔

② نشان راہ اور علامات کو '' آثار'' کہتے ہیں۔

③ باقی ماندہ چیز کے لیے بھی ''أَثَرٌ'' مستعمل ہے۔

④ کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کو ''جَآءَ فِیْ أَثَرِہٖ'' [1] سے تعبیر کرتے ہیں۔

⑤ اسلاف سے منقول شدہ حکم کو ''أَثَرَۃُ الْعِلم'' اور ''أَثَارَۃُ الْعِلْم'' [2] کہا جاتا ہے۔

⑥ اسلاف کے ورثے، ان سے مروی خبر اور جاری سنت کو بھی ''أَثَرَ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ [3]

اسی لفظ سے ''مَأْثُوْر'' بطور اسم مفعول مشتق ہے جو اپنے استعمالات کے لحاظ سے متعین علامت، نشان راہ، متوارث علم اور منقول خبر کا مفہوم دیتا ہے۔ گویا لغوی مفہوم کے لحاظ سے بھی تفسیر بالمأثور وہی تفسیر ہے جو منقول ہو، متوارث ہو اور انہی راہوں پر ہو جن پر اسلاف نشان چھوڑ گئے ہیں یا جنہیں وہ متعین کر گئے ہیں۔

تفسیر بالمأثور کی صطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر تفسیر بالمأثور سے کیا مراد ہے؟ کیا اس کا اطلاق صرف مرفوع تفسیر پر ہوتا ہے یا مرفوع اور موقوف دونوں، یا مرفوع، موقوف اور مقطوع تینوں پر ہوتا ہے؟ اس بارے میں درج ذیل آرا پائی جاتی ہیں۔

پہلا قول

بعض علماء کے نزدیک تفسیر بالمأثور صرف وہی تفسیر ہے، جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔ صحابہ وتابعین کے استنباطات واجتہادات تفسیر بالمأثور میں شامل نہیں ہیں۔

---

① القاموس المحیط، فیروز آبادی: ۱/ ۴۸۹، باب الراء ''اثر''۔

② المعجم الوسیط مادۃ ''أثر''۔ ③ ایضًا۔

ہاں! صحابہ وتابعین کے وہ تفسیری اقوال جن میں ان کے ذاتی اجتہاد کو دخل نہ ہو بلکہ سماع پر محمول ہوں، تو ایسے اقوال تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ علوم القرآن پر لکھنے والے معروف عالم لطفی الصباغ ① اور ڈاکٹر محمد محی الدین بلتاجی کی یہی رائے ہے۔ ②

دوسرا قول

بعض علماء کے نزدیک تفسیر بالماثور وہ تفسیر ہے جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہو۔ ان کے نزدیک تابعین کی تفسیر اس میں شامل نہیں ہے۔ البتہ ایسے کبار تابعین جنہوں نے صحابہ سے براہ راست تفسیر سیکھی ہو، ان کی تفسیر، تفسیر بالماثور میں شامل ہے۔ ان علماء کے ہاں تابعین کی تفسیر اس لیے ماثور نہیں کیونکہ ان کے تفسیری اقوال اجتہادات اور اسرائیلیات پر مشتمل ہیں۔ ③

تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے باسند روایت شدہ تمام تفسیری ذخیرہ کو نقل کرنا تفسیر بالماثور ہے۔ ④

تجزیہ

ماثور کا معنی منقول ہے، لہٰذا نبی کریم ﷺ، صحابہ اور تابعین سے منقول تمام احادیث و آثار تفسیر بالماثور میں شامل ہیں۔ جو حضرات تابعین کی تفسیر کو تفسیر بالماثور میں شامل نہیں سمجھتے، دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تابعین کی تفسیر حجت نہیں۔

جمہور ائمہ و محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ تفسیر بالماثور میں اقوال تابعین شامل ہیں۔ ⑤

---

① لمحات فی علوم القرآن و اتجاهات التفسیر، ص ۱۸۰۔ ② دراسات فی التفسیر وأصوله، ص: ٤٦۔ ③ مناهل العرفان، زرقانی، ۱/٤۸۱، مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص ۳٤۷۔ ④ تفسیر التابعین، محمد علی الخضیری، ۱/ ۳۲۔
⑤ مناهل العرفان، الزرقانی، ۲/۱۲۔

اور لغت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔[1]

نیز تفسیر بالمأثور کے مصنفین کا تعامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ تفسیر تابعین کو مأثور میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر میں تابعین کے اقوال بکثرت موجود ہیں۔ البتہ ان اقوال کی حجیت یا عدم حجیت الگ مسئلہ ہے، ان دونوں چیزوں میں خلط مبحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: مقدمہ ابن خلدون، ص۴۳۹، البرهان في علوم القرآن، زرکشی، ص۳۳۶۔

منہج تفسیر بالمأثور کی ضرورت واہمیت

① میزانِ صحت وخطا فراہم کرنے میں منہج تفسیر بالمأثور کی اہمیت

وحی کی طرف رجوع کس طرح کیا جائے؟ قرآن مجید سے راہ نمائی لینا فرض، لیکن راہ نمائی لینے کا انداز کیا ہو؟ مطالعۂ قرآن سے حاصل شدہ نتائج کے تعین کا ذریعہ کیا ہو؟ کس کا فہم قرآن صحیح ہے اور کس کا غلط؟ کسے فہم قرآن کے لیے معیار اور کسوٹی قرار دیا جائے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دیے بغیر وحدت امت کا درست اور متوازن تصور بھی ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن وسنت سے درست راہ نمائی لینا امت اسلامیہ کا ایک تاریخی واقعہ ہے، اسی طرح غلط تاویلات کی بھی ایک تاریخ ہے، جس سے ہمیں دامن بچانا ہے۔ اس معاملے میں اگر کسی کسوٹی کی ضرورت ہے۔ تو کیا ہر آدمی خود تجویز کرے گا؟ کسوٹی اگر ہر آدمی خود تجویز کرے گا تو کیا سب سے پہلے ''کسوٹی'' کے تعین میں ہی اختلاف رونما نہ ہو جائے گا؟ پھر وہ ''کسوٹی'' کیا ہوئی؟ کتاب اللہ سے لیے جانے والے ''مفاہیم'' اور ''کشیدہ کردہ استنباطات'' کی صحت جانچنے کے لیے لوگوں کے مابین آخری کوئی تو حوالہ (Refering Point) ہو! اور وہ حوالہ خود رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ اور خیر القرون کے فہم سے بہتر کونسا ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال، تقریرات کی پیروی اور خیر القرون کے مجموعی طور پر فہم قرآن کی ہی اقتدا واتباع کرنی چاہیے۔ ﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ﴾ (التوبہ: ۱۰۰)

② تاریخی اہمیت

تفسیر قرآن کے نام سے برصغیر میں بالخصوص گزشتہ کئی دہائیوں سے بہت سے دلکش مناہج وجود میں آئے۔ اسلامی تاریخ میں بھی کئی مناہج منظر عام پر آئے، ان کی عمارتیں کچھ دیر کے لیے بڑی اونچی اٹھیں اور پھر بڑی بے چارگی سے ملبہ بنتی دیکھی گئیں۔ کئی فتنے زبان زد عام ہوئے، بالآخر زمانے کی گردش میں روپوش ہو رہے اور بڑا غلغلہ کرا لینے کے بعد زیادہ ہوا تو لائبریریوں کی شیلفوں میں ''نگاہ مطالعہ'' کے منتظر ہوئے۔

فہم دین میں بالعموم اور تفسیر قرآن میں بالخصوص وہ چیز جسے چودہ صدیوں سے دوام حاصل ہے اور کبھی اس کا سرنگوں ہونا ممکن نہیں اور جس سے ٹکرانے والا بالآخر چت ہوا، وہ اہل السنۃ کا منہج تفسیر، منہج فہم واتباع ہے، جس میں التزام واجتہاد، اتفاق واجماع اور اختلاف وتنوع سب کے دائرے طے شدہ ہیں۔ یہی وہ منہج ہے جسے صاحب قرآن اور تلامذۂ صاحب قرآن سے نہ صرف باقاعدہ شرف تلمذ حاصل ہے بلکہ سند توثیق کا بھی حامل ہے۔

فہم دین کا معاملہ ہو یا تفسیر قرآن کا منہاج، اس امت کے اندر کسی راہ کا نیا ہونا ہی اس کے ٹھکرائے جانے کے لیے ایک بہت کافی اور معقول سبب ہے۔ اس کے سوا، اس کے مسترد کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ ''نیا'' ہونے کے سوا اگر اس کے رد کرنے کے لیے کوئی اور دلیل دی جائے گی تو وہ از قبیل نوافل ومستحبات ہوگی نہ کہ از باب فرائض وواجبات۔

تفسیر قرآن کا معاملہ ہو یا فہم دین کا، تلاش حق کی بات ہو یا اتباع حق کا عمل، یہ سب اس امت کے اندر اس قدر تسلسل کے ساتھ ہوا ہے اور نسل در نسل، کڑی در کڑی اس شدید حد تک مربوط ہے اور کہیں رکے یا روپوش ہوئے بغیر اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سیدھا بے ساختہ یوں جا ملتا ہے کہ سلف کے ذخیروں سے اور پہلوں کے ورثوں سے ایک بات کا ثبوت نہ دیا جا سکنا، ایک مکتب فکر یا منہج تفسیر کا محض کسی نئی ''تحقیق'' کے نتیجے میں سامنے آ جانا اور اس کا سلف سے متناقض ہونا ہی اس کے ''مُحْدَثْ'' اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' ہونے پر مہر تصدیق کی حیثیت رکھتا ہے۔

ائمہ اہل سنت نے کیا سچ کہا، انقطاع یعنی دین کی کسی تعبیر یا قرآن کی کسی تفسیر کا پورے ایک تسلسل کے ساتھ نہ جا سکنا اس کے باطل ہونے کے لیے کافی اور بجائے خود ایک دلیل ہے۔ باقی تمام مناہج تفسیر منقطع ہیں، ہر آنے والا ایک نئی عمارت بناتا ہے اور اس کے بعد آنے والا اسے ڈھانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ صرف منہج تفسیر بالمأثور کو ہی شرف و اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر قلم اٹھانے والا جب تک ''پہلوں'' کا حوالہ نہ دے لے وہ آگے بڑھتا ہی نہیں!!

مسجد نبوی کے حلقات قرآن سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت قرآن اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری افادات تک، تفسیر طبری سے تفسیر ابن کثیر اور احسن التفاسیر تک منہج تفسیر بالمأثور کو اپنانے والے قرآن مجید کے ایک ہی مفہوم سے آشنا ہیں اور اسی کے خوشہ چین ہیں۔ ان سب میں صدیوں کے فاصلوں کے باوجود ایک خاص تسلسل نظر آتا ہے، اختلاف وتنوع بھی ضرور ہے لیکن اس عمومی دائرہ کے اندر جو خیر القرون میں طے پا گیا۔ قرآن وسنت اور آثار صحابہ، ان سب کے فہم قرآن کے لیے بنیاد ہے۔ اس طرح کا تسلسل کسی اور منہج میں ممکن ہی نہیں۔

③ اتحاد امت کے لیے منہج تفسیر بالمأثور کی اہمیت

منہج تفسیر بالمأثور امت کو متحد رکھ سکتا ہے، تنوع اور اختلاف یہاں ضرور ہے اور وہ انسانی واقعہ ہے لیکن اس کی حدود متعین ہیں۔

قرآن مجید کی تفسیر ہو یا دین کی تعبیر، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

① اصول دین ② فروعی مسائل وتفصیلات

منہج تفسیر بالمأثور اور اصول اہل سنت میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اصول دین میں:[1]

☆ نہ تو بحث جائز ہے۔ ☆ نہ اختلاف ☆ نہ از سر نو تحقیق۔

---

[1] آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہو؟ حامد کمال الدین ص ۵۷۔ ۵۸۔

اصول دین کے معاملہ میں نصوص قرآنیہ بلکہ نصوص شریعہ کے فہم کی بابت جو کچھ سلف (صحابہ وتابعین) سے منقول ہے، وہی حق ہے اور اس کو ماننا واجب، اس کے ماسوا باطل اور بدعت وضلالت ہے، اس امت میں جنم لینے والے بہت سے جھگڑے تو یہیں سمٹ جاتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”علیکم بالأمر العتیق“ (پرانے ترین دور والے اسلام ہی کو اپنے اوپر لازم رکھو)۔ دین کے اس پہلو کی بابت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے: ”جو شخص اپنے دین کو بحثوں کا موضوع بناتا ہے، وہ اکثر نقل مکانی کرتا ہے۔“①

قرآن مجید کی وہ آیات جو فروع دین سے متعلق ہیں، ان میں

① تحقیق کی گنجائش ہے۔

② راجح ومرجوح کا تعین بھی دلیل کی قوت کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔

③ لیکن ان میں بھی اختلاف کی صرف اتنی سی گنجائش ہے جتنی سلف (قرون ثلاثہ) میں پائی گئی۔ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”تمہارا بھٹک جانا بلکہ صحیح معنوں میں بھٹک جانا یہ ہے کہ پہلے جسے تم برائی سمجھتے تھے اب اسے اچھائی سمجھنے لگو اور پہلے جسے اچھائی سمجھتے تھے اسے اب برائی سمجھنے لگو۔ خبردار! خدا کے دین میں نئے نئے رخ اختیار نہ کیا کرو، کیونکہ خدا کا دین ایک متعین چیز ہے۔“②

تفسیر کا معاملہ تو بہت نازک ہے، یہاں فروع دین میں بھی استدلال و استخراج اور رائے دہی کے باقاعدہ اصول وضوابط ہیں۔ تفسیر بالماثور سے ہٹ کر عقائد وایمانیات اور ارکان اسلام تک کی تعیین ممکن نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے تفسیر بالمأثور کے مؤلفین کی تشریحات میں ایمانیات وارکان میں اتفاق واتحاد نظر آتا ہے۔ دوسری طرف قدیم معتزلہ اور جدید عقل پرست مفسرین ایمانیات وعقائد میں بھی جمہور امت سے مختلف ہیں۔

---

① سنن دارمی، مقدمه، باب من وهاب الفتیا وکره التنطع والبدع، حدیث ۱٤۲۔ اس مفہوم کے دیگر اقوال صحابہ وتابعین کے لیے ملاحظہ ہو: الاعتصام، شاطبی، ۱/۵۹ (صحیح جامع بیان العلم وفضله، ابن عبدالبر، ص۳۸۷)۔

② صحیح جامع بیان العلم و فضله، ص۳۸٤۔

④ منہج تفسیر بالمأثور کا استحکام

صدیوں کے تعامل اور تسلسل کی بدولت اس منہج میں حد درجہ استحکام ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ایسے قواعد وضوابط پر ہے جنھیں مُسلّمات کا درجہ حاصل ہے۔ اقوام کی زندگی اور انسانی معاشروں میں بعض معاملات کو ہمیشہ کے لیے طے کیے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ مسلمات کا پایا جانا ہر معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسانی اجتماع کا مل کر آگے بڑھنا اور ان کے مابین نسلوں تک یکسوئی اور ہم آہنگی کا پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ مُسلّمات پوری طرح ٹھوک بجا کر اور اور ٹھوس علمی بنیادوں پر قائم کیے گئے ہوں۔

منہج تفسیر بالمأثور کے بنیادی اصول تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالسنۃ اور تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ ایسی ٹھوس بنیادوں پر قائم ہیں جن کے پیچھے شرعی نصوص اور علمی وعقلی دلائل کارفرما ہیں۔

عموماً سمجھا جاتا ہے کہ امت اسلامیہ کو صرف مصادر دین میں استحکام حاصل ہے۔ بلا شبہ کتاب وسنت محفوظ ومصئون اور ہمارے لیے ہدایت کا منبع ہیں، لیکن اس سے آگے یہ بھی حقیقت ہے کہ امت اسلامیہ کو "ما أنا علیه واصحابی" کے اصول پر مصادر کے فہم میں بھی استحکام حاصل ہے۔

⑤ منہج تفسیر بالمأثور فکری انتشار سے بچاؤ کی ضمانت

سوال یہ ہے کہ کیا اس امت کا وقت اور وسائل اس بات کے متحمل ہیں کہ ایک شخص یا مکتب فکر اٹھے اور قرآن مبین کی از سرنو تعبیر شروع کر دے، اس کے بعد کوئی دوسرا شخص یا مکتب فکر اس کی تصحیح یا تردید میں مصروف کار ہو جائے؟

پھر ایک نیا شخص یا مکتب آگے بڑھ کر اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دے اور "تفسیر قرآن" کے نام پر یہ کھیل جاری رہے، جیسا کہ ہمارے برصغیر میں بالخصوص ہو رہا ہے! ہر ذہین آدمی یا ذہین افراد کی جماعت، امت کے اندر یہی کام کرے تو روز تفسیر کا نیا منہج

سامنے لایا جائے اور اس باب میں کوئی حتمی اور طے شدہ فہم قرآن کبھی پایا ہی نہ جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے کسی مبتدع نے کہا: ''آؤ! بات کر کے دیکھتے ہیں۔ اس شرط پر کہ میں جیتوں تو تم میرے ہم خیال ہو جاؤ گے اور تم جیتو تو میں تمہارا ہم خیال ہو جاؤں۔''

بظاہر خاصی اصولی پیشکش ہے۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ نے جو جواب دیا، انہی کا خاصہ تھا، فرمایا: اور اگر کوئی تیسرا شخص ہم دونوں کو خاموش کرا دے؟! تو کیا جب بھی کوئی نیا شخص میدان میں آئے اور پہلے والے سے بڑھ کر دلیل اپنا لینے کی مہارت دکھائے تو ہم اپنا دین اور راستہ تبدیل کر لیا کریں؟ سنو! میں اپنا دین یقینی طور پر معلوم کر چکا ہوں کہ وہ کیا ہے؟ تمہیں اپنا دین معلوم نہیں تو جہاں چاہو تلاش کرتے پھرو![1]

⑥ منہج تفسیر بالمأثور کی عملی اہمیت

تفسیر بالمأثور سے منحرف مناہج کی یہی کوشش رہی ہے کہ تفسیر قرآن کو ذہانت و فطانت کا کمال ٹھہرا دیا جائے۔ جس کی رو سے فلسفی افکار ہی کی طرح ہر نیا ذہن پرانوں کی بہت سی ''مدلل باتوں'' کو اپنی ''دلیل'' کے زور پر غلط ثابت کر دے اور پھر کوئی تیسرا ذہین اٹھے جو اس کی دلیل کو بے اثر کر دے، یوں کسی امر کا فیصلہ قیامت تک نہ ہونے پائے!!

نزول قرآن کا اصلی مقصود علمی موشگافیاں نہیں بلکہ عمل ہے اور عمل کے لیے ایک متعین اور طے شدہ مفہوم ضروری ہے۔ یہ طے شدہ اور متعین مفہوم بہر صورت احادیث رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قرآنی معاشرے سے باہر کہیں نہیں مل سکتا۔

⑦ روحانی اہمیت

یہاں ہر ہر آیت کی تفسیر میں ترغیب و ترہیب اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا سلسلہ انسان کے اندر عجب روحانی انقلاب برپا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام مناہج اس خوبصورت اور دل آویز اسلامی ورثے سے محروم ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

---

[1] آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہو؟، حامد کمال الدین، ص ۴۴۔ امام مالک کے اس قول کا بنیادی مصدر معلوم نہیں ہو سکا۔

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ کی تفسیر بالماثور

یہاں ''زیادة'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تعیین لغوی معنی اور سیاق کلام سے بھی ممکن نہیں۔تفسیر بالماثور میں جو اس کی تشریح ملتی ہے، اس سے وہی حظ اٹھا سکتے ہیں، جن کے دلوں میں ایمان کے انگارے سلگتے اور جن کی دھڑکنیں حب الٰہی کے لیے دھڑکتی ہوں۔

عن صهيب عن النبیﷺ فی قوله: ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ''، قال: ((اذا دخل اهل الجنة الجنة نادى مناد: ان لكم عندالله موعداً يريد ان ينجز كموه، قالوا:ألم يبيض وجوهنا و ينجنامن النار ويدخلنا الجنة؟)) قال: ((فيكشف الحجاب)) قال:((فوالله ما اعطاهم الله شيئا احب اليهم من النظر اليه)) [1]

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی اعلان کرے گا: اے اہل جنت! اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا اور وہ چاہتا ہے کہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے۔ وہ (ایک دوسرے سے) کہیں گے: کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا اس نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟'' (یعنی سب کچھ تو مل گیا ہے تو اور کونسا وعدہ ہے جو ابھی تک پورا نہیں ہوا؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس موقع پر پردہ اٹھا لیا جائے گا۔'' (اور اہل جنت کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔) فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دیدار سے زیادہ محبوب ومرغوب کچھ نہیں دیا ہوگا۔''

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم حدیث نمبر ٤٩٤٦، جامع ترمذی، كتاب التفسير، باب ومن يونس، حدیث نمبر:٣١٠٥۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة: ١٦٥) کے تحت محب صادق کے نزدیک رؤیت باری تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ نفسیاتی طور پر بھی مخلص اپنے محسن صادق کو دیکھنے کا مشتاق ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ جنت میں اپنی شان الوہیت کے مطابق اہل جنت کے سامنے جلوہ افروز ہو کر اپنا دیدار کروائیں گے۔

تفسیر بالماثور کی روشنی میں کہاں یہ انبساط و انجذاب اور دیدار الٰہی کے لیے نماز و دیگر اعمال کا اشتیاق اور کہاں معتزلہ و فلاسفہ اور متجددین و متکلمین کی موشگافیاں کہ دیدار الٰہی ممکن بھی ہے یا نہیں!؟

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ کی تفسیر بالماثور

سورۂ مریم (۷۱) کی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اثری منہج کے مصنفین پل صراط اور ورود نار کے متعلق احادیث درج فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ويضرب الصراطُ بين ظهراني جهنم ، فاكونُ اولَ من يجوز من الرسل بأُمته، ولا يتكلم يومئذ أحد الا الرسل، كلام الرسل، يومئذ اللّٰهمَّ سلِّم سلِّم- و في جهنم كلا ليبُ مثل شوك السعدان، هل رأيتم شوك السعدا؟ » قالوا: نعم، قال: «فانها مثل شوك السعدان غير أنه لا يعلم قدر عظمها اِلا اللّٰه، تخطف الناسَ بأعمالهم ، فمنهم من يُوبق بعمله، ومنهم من يُخردل ثم ينجو، حتى اذا أراد اللّٰه رحمة من أراد من أهل النار، أمر اللّٰه الملائكة ان يُخرجوا من كان يعبد اللّٰه، فيخرجونها » [1]

''جہنم کے بالکل درمیان ایک پل رکھا جائے گا۔ تمام رسل میں سے سب سے پہلے میں اپنی امت کے ہمراہ گزروں گا، رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر رہا

[1] صحيح البخاري،كتاب الأذان، باب فضل السجود،حديث(٨٠٦)،ص ١٣٠-١٣١-

ہوگا، رسل کی کلام ہوگی: اے اللہ بچا لیجئے! الٰہی حفاظت فرمایئے! نیز جہنم میں سعدان درخت کے کانٹوں کی طرح کھینچنے والی کنڈیاں ہوگی، کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟'' صحابہ نے کہا: جی ہاں دیکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بس یہ سعدان کے درخت کی طرح ہوں گے، لیکن ان کے طول وعرض کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ کنڈیاں لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے اچک لیں گی، سو ان میں سے بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے تباہ ہو جائیں گے، بعض کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، پھر نجات پائیں گے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جن اہل نار پر مہربانی فرمانا چاہیں گے، تو فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزاروں کو باہر نکال لیں، سو وہ ان کو نکال لیں گے۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں پل صراط کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے:

((ثم يؤتى بالجسر فيُجعل بين ظهر اني جهنم)) قيل يا رسول اللّٰه! وما الجسر؟ قال مَدْحَضَةٌ، مَزَلَّةٌ ، عَلَيْهِ خَطَا طِيْفُ وَ كَلَالِيْبُ و حَسَكَةٌ مُفَلْطَحَةٌ، لها شوكة عقيفة، تكون بنجد، يقال لها السعدان، المؤمن عليها كالطرف و كالبرق و كالريح وكأ جاويد الخيل الركاب، فناجٍ مسلم و ناج مخدوش، و مكدوس في نار جهنم، حتى يمر آخرهم يسحب سحبا)) [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر ایک پل لا کر جہنم کے درمیان رکھ دیا جائے گا۔'' راوی کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ پل کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''انتہائی پھسلن والا، جس پر تیزی سے کھینچنے والی کنڈیاں ہوں گی، پنجے نما کانٹے ہوں گے، شاندار چوڑی جھاڑیاں ہوں گی، جن پر نجد میں پائے جانے والے سعدان کی طرح مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے۔ مؤمنین اس پر سے آنکھ جھپکنے، بجلی چمکنے، تیز ہوا، عمدہ گھوڑے اور بہترین سواریوں کی طرح گزر جائیں

[1] ایضًا، كتاب التوحيد، حديث ٧٤٣٩۔

گے۔ کچھ صحیح وسالم نجات پانے والے ہوں گے، کچھ خراشوں کے ساتھ ،بعض کو جہنم کی آگ میں گرادیا جائے گا حتیٰ کہ سب سے آخری شخص کو گھسیٹ کر گزار لیا جائے گا۔''

⑧ منہج تفسیر بالماثور اور ایمان وعمل

آیات مبارکہ کی تفسیر میں اس طرح کے عربی متن پر مشتمل، رسول اللہ ﷺ کے ایمان افروز بیانات ہمیشہ سے ایمان وعقیدہ کو جلا بخشتے آئے ہیں، ایمان وحکمت سے لبریز ارشاداتِ رسولِ کریم ﷺ اور خوف وخشیت الٰہی سے بھر پور اقوالِ صحابہ کا آخر کیا متبادل ہوسکتا ہے؟! آیت الٰہیہ کی تفسیر میں ایمان اور عمل کی وہ کیفیات جو حدیث وسنت اور آثار صحابہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں تفسیر بالماثور کے ماسوا اور کس منہج میں نصیب ہوسکتی ہیں؟

قرآن مجید خود تقاضا کرتا ہے کہ میری آیات کی تلاوت سے ایمانی کیفیات پیدا ہوں اور ایمان میں اضافہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

''اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' (الانفال:۲)

اہل ایمان سنیں تو ان کا دل تڑپ جائے، جسد خاکی پر خوف خشیت طاری ہو جائے، رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾(الزمر: ۲۳) ''(ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔'' ذکر الٰہی اور پیغام الٰہی کی قبولیت کے لیے ان کے دل نرم وملائم ہو جائیں، تاکہ ان پر ہدایت کے راستے واضح ہوسکیں۔ اس احسن الحدیث کو نازل کرنے والا خود اس ایمانی کیفیت کی مدح وتوصیف کرتا ہے۔

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (الزمر: ۲۳)

''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔''

خود قرآن مجید تقویٰ کو نقطہ آغاز قرار دیتا ہے۔ ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور تقویٰ کو ہی نقطہ کمال، جب ایمان وتقویٰ خود قرآن مجید کا اولین تقاضا بھی ہے اور آخر میں مطلوب و مقصود بھی، جب قرآن مجید اس کیفیت کو اپنے فہم کے لیے پہلی شرط قرار دیتا ہے، جب قرآن طے کر چکا ہے کہ مجھ تک پہنچنے کے لیے یہی بنیادی زینہ ہے، تبھی تم میرے احکامات کے ہم گام و ہم قدم چل سکتے ہو، تو آخر اس امت کو کون سی مجبوری آن پڑی کہ اب یہ قرآن کو سمجھنے کے لیے عہد ایمان و عہد تقویٰ سے بے نیاز ہو جائے؟!

ہمیں کس نے درس دیا ہے کہ ہم صحابہ کو چھوڑ کر فہم قرآن کے لیے مستشرقین و مبتدعین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کریں..... وہ جو ایمان وتقویٰ کی کیفیات تو کیا ان کی ابجد سے بھی نابلد ہیں۔

⑨ منہج تفسیر بالماثور بنیادی شرعی تقاضا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (البقرة:۱۳۷)

''اگر وہ تمہارے جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ موڑیں تو صریح اختلاف میں ہیں۔''

صحابہ کے ایمان جیسا ایمان، ان کی اتباع جیسی اتباع، صحابہ کے فہم جیسا فہم اور جس طرح صحابہ دین پر عمل پیرا ہوئے تھے، اس طرح دین پر عمل پیرا ہونا، قرآن کا حکم ہے اور دین کا باقاعدہ مطالبہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار إلا ملة واحدة » قال: ومن ھی یارسول اللّٰه؟ قال: «ماأنا علیه و أصحابی » ①

''اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ایک ملت کے علاوہ سب جہنم میں جائیں گے۔'' پوچھا گیا! یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ فرمایا:''(وہ لوگ جو اس منہج پر ہوں) جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ۔''

''رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں صرف اتنا نہیں فرمایا ''ما انا علیه'' یعنی وہ راستہ و منہج جس پر میں ہوں، حالانکہ یہیں توقف فرمانا ہوتا تو فرما سکتے تھے، لیکن آپ نے فرمایا: «ما انا علیه وا صحابی» ''جس راہ پر میں خود ہوں اور میرے صحابہ۔'' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

① صحابہ کا منہج اور صحابہ کا فہم دین، نصوص وحی کو لینے اور سمجھنے کے معاملے میں بعد والوں کے لیے حجت ہے۔ صحابہ کا فہم وحی کے استیعاب کی بابت، پیمانہ ومقیاس کا درجہ رکھتا ہے۔ دین کے وہ مُسلّمات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں قائم ہو گئے اور حق و باطل کی جو بنیادیں اور نصوص وحی سے استدلال کے جو اصول ان کے دور میں قائم ہو گئے، بعد والے خصوصاً اختلاف وتفرقہ کے ادوار سے وابستہ لوگ انہی بنیادوں، انہی مُسلّمات اور انہی اصولوں کو اپنانے اور انہی پر کاربند رہنے کے پابند ہیں۔

② درج بالا آیت مبارکہ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کا منہج اور ان کا فہم بعد کے ادوار کے لیے باقاعدہ طور پر محفوظ اور باقی رہے گا، بصورت دیگر ان کے ایمان اور انہی کی اتباع کو معیار قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب ایک چیز اپنا وجود ہی کھو دے تو نجات پانے والوں کی پہچان کیونکر قرار دی جاسکتی ہے؟! جو چیز محفوظ ہی نہیں وہ حجت کیسے ہو سکتی ہے؟ ②

① جامع ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جآء فی افتراق ھذه الأمة، حدیث (٢٦٤١)، قال الترمذی، ھذا حدیث حسن غریب، مفسر لا نعرفه مثل ھذا الا من ھذا الوجه)
② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین، ص ٦٥-٦٦-

⑩ منہج تفسیر بالمأثور کی لغوی اہمیت

لغت ان علوم میں سے ہے جن کی بنیاد صرف اور صرف اہل لغت سے سماع پر موقوف ہوتی ہے۔عربی زبان کی ساری قوامیس و معاجم دراصل وہ نتائج ہیں، جو علمائے لغت نے اپنے اجتہاد سے اخذ کیے ہیں۔جس بنیاد پر انہوں نے نتائج و معانی مستنبط کیے وہ عربِ اوّل کے استعمالات ہیں۔اگر کوئی شخص کلمات قرآنیہ کی تفسیر وتشریح میں علمائے لغت کے نتائج پر تو اعتبار کرے، لیکن خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ اصحاب لغت ہیں اور خالص عرب، اس لفظ کا معنی متعین کریں، تو اسے تسلیم نہ کرے! یقیناً یہ طرز عمل شرع وعقل اور لغت کے بالکل مخالف ہے۔[1]

صحابہ کا فہم نہ صرف شرعی نقطۂ نظر سے بلکہ لغوی لحاظ سے بھی بالاولیٰ حجت ہے۔ خالص عرب ہونے کے ناطے ان کی زبان سے صادر ہونے والا ایک ایک لفظ اس قابل ہے کہ ساری دنیا کے لغت دان اسے نوٹ کریں، وہ کسی لفظ کی تشریح فرمائیں تو ان کی تشریح یہ حق رکھتی ہے کہ ساری عجمی دنیا کے شارحین اس کی روشنی میں اپنی تشریحات کی تصحیح کریں اور اصحاب قوامیس قلم پکڑے اپنی لغات پر نظر ثانی کریں، کیونکہ خود اہل زبان سے بہتر عربی کو کون سمجھ سکتا ہے؟!

مزید برآں قرآن مجید کی عربی مبین محض ''ٹکسالی عربی'' ہی نہیں ہے، یہ شرعی و ایمانی حقائق پر مشتمل وہ عربی ہے جس نے ایمان و اسلام، صلاۃ و زکوۃ، صدقہ و صیام، قذف و لعان، قطع و رجم اور اس طرح کے کئی لغوی کلمات کے قوالب کو نئے شرعی معانی پہنائے، قرآن مجید کی عربی شرعی لباس زیب تن کیے ہوئے ہے، اسے صحیح مفہوم میں امرؤ القیس اور نابغہ ذبیانی کے دواوین کا مطالعہ کرنے والے تو کیا، خود امرؤ القیس اور نابغہ ذبیانی بھی سمجھنا چاہیں تو صحابہ کرام کے حلقۂ درس میں آئے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: درایت تفسیری، از حافظ عبداللہ محدث روپڑی، جو کہ تفسیر صحابہ کی اہمیت پر بے نظیر کتاب ہے۔

معلقات سبع اور دواوین جاہلیت سے استفادہ بجا اور مستحسن، لیکن ان سے اخذ کردہ نتائج بہر حال ہم ''اعاجم'' کے ہی ہیں، اپنے ہم عصر دوسرے ''اعاجم'' کے مقابلے میں یہ حجت ہوں تو ہوں، لیکن برصغیر کے اعاجم کی یہ لغوی تحقیقات اگر آثار صحابہ کے خلاف پڑیں تو اسے ''فتنۂ عجم'' اور ''ظن ووہم'' ہی قرار دیا جائے گا۔

⑪ منہج تفسیر بالمأثور کی علمی اہمیت

قرآن مجید اپنے آپ میں محکم ہے اور بے انتہا واضح، مگر پھر بھی اس کی تفسیر وتوضیح ایک باقاعدہ علم ہے، اس کی ایک تاریخ ہے اور ایک شاندار تراث۔ برصغیر کا کوئی بھی مفسر وہ ''پہلا'' ہی شخص نہیں ہوسکتا جو قرآن کو سمجھنے چلا ہو، اگر کوئی شخص علم تفسیر کی اساس وتراث سے بالکل منقطع ہو کر کوئی تفسیر متعارف کرانا چاہتا ہے، تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص علم حساب (Mathematics)، علم جغرافیہ، کیمسٹری، فزکس، بائیولوجی وغیرہ کی اب تک کی تحقیقات اور دریافت سے منقطع ہو کر ازسرِ نو ان علوم پر قلم اٹھانا چاہتا ہو۔

یوں تو یہ کائنات بھی اللہ کی کھلی کتاب ہے، ہر کوئی اسے پڑھ بھی سکتا ہے اور اس سے فوائد بھی کشید کر سکتا ہے، کسی پر پابندی نہیں۔ واقعاتی و مادی اور تجرباتی انداز میں اس کائنات کا مطالعہ ''سائنس'' کہلاتا ہے۔ اب سائنس کائنات کے متعلق کیے گئے انسانی تجربات و مشاہدات کی ایک مدلل تاریخ رکھتی ہے اور ایک باقاعدہ علم، اب کیا اس کا علم کچھ مخصوص حوالہ جات اور مصادر سے اخذ کیا جانا ضروری نہیں؟ خود تجربے اور مشاہدے کے کچھ خاص اور متعین اصول وضوابط نہیں؟ کیا ہر شخص سائنس کی وادی میں آکر اپنا ''نیا تجربہ'' کرے گا اور ''نیا پہیہ ایجاد'' کرے گا یا ''پہیے'' کی بابت پہلے سے جاری و ساری عمل کو لے کر آگے بڑھے گا؟ سائنس کی بابت کیا کسی تاریخی تسلسل کا حصہ بننا ہوتا ہے یا اس سے الگ تھلگ رہ کر ہی کائنات کے حقائق کی ''تشکیل'' کرنا ہوتی ہے؟

کائنات تو وہی ہے جو پہلے تھی، مگر اس کا مطالعہ ایک مسلسل تاریخی عمل ہے اور اب اس کے کچھ منضبط اصول ہیں اور متعین مراجع، جن سے منقطع رہنا ہرگز کوئی سائنسی وعلمی رویہ نہیں۔

کائنات تو پھر کائنات ہے اور سائنس پھر سائنس، اس میں بہت کچھ ایسی گنجائش ہے جو قرآن میں نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اس مسئلہ سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلف اول سے منقطع ہوکر مطالعہ تفسیر وتدبر قرآن بہرحال کوئی علمی رویہ نہیں۔ ①

⑫ منہج تفسیر بالمأثور کی قانونی اہمیت

ایک عدالت میں آنے والا ہر کیس اپنی نوعیت میں دوسرے ہر کیس سے مختلف ہوسکتا ہے اور اس کے باعث ہر نئے کیس کا فیصلہ دوسرے سے مختلف اور نیا ہونا متوقع ہوسکتا ہے، اس لحاظ سے حاضر وقت عدالتوں اور قاضیوں کے ذاتی میلانات ورجحانات اور کردار کو بہت حد تک دخل ہوسکتا ہے، لیکن پھر بھی نئے آنے والے کیس کی بابت موجودہ عدالتیں گزشتہ عدالتوں کے کیے ہوئے فیصلوں کو مدنظر رکھنے کی پابند ہوتی ہیں جنہیں ''نظائر Precedents'' کہا جاتا ہے۔ قانون کتابوں میں بے شک موجود ہو مگر عدالتی نظام اس مفروضہ کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی جج دنیا میں آج پہلی بار ''عدل'' قائم کرے گا! اور یہ کہ کوئی شخص دنیا میں آج پہلی ہی بار قانون کا ''صحیح فہم'' پائے گا اور ''معتبر تشریح'' سامنے لائے گا! ②

اب یہ ''سلف'' جس چیز کا نام ہے وہ Predecessors کا ہی لفظی ترجمہ ہے۔ ایک سلسلے کو جو چیز سلسلہ بناتی ہے وہ Predecessors کا ہی التزام ہے۔ منہج تفسیر میں اس عمل کو ہی ''مأثور'' کہہ دیا گیا ہے۔

یہ مثال بہرحال دنیاوی اور انسان کے وضع کردہ قانون کی بابت ہے۔ کتاب اللہ ایسی ''کتاب قانون'' ہے جسے خود رب العالمین نے اپنی نگرانی میں اتار کر اس کے ایک ایک لفظ کا ذمہ لیا، اس کی تشریح وتفسیر کی ضمانت دی...... ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾...... شارح کی تعیین کی...... ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴾...... شارح نے قول وعمل کے ذریعے اپنی ذات سے مجرد ہوکر...... ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴾...... اس کی تشریح کی، اس کے

① ملاحظہ کیجئے: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین، ص۵۳۔ ۵۵۔ ② ایضاً۔

مطابق ایک جماعت تیار کی...... ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾...... اس کتاب ''قانون'' کی تفسیر میں اگر کوئی ایسے قدیم المثال نظائر کی سرے سے پرواہ ہی نہ کرے، تو یقینا اس کی تشریح وتفسیر اس اسلامی سلسلے میں ''منقطع''، ''مُحدث'' اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' قرار پائے گی۔

منہج تفسیر بالماثور پر بعض اعتراضات کا جائزہ

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ منہج تفسیر بالماثور پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا ایک عمومی جائزہ پیش کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان اشکالات کی حقیقت کیا ہے؟ مثلاً ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ تفسیر بالماثور پر کلی انحصار سے تدبر وتفکر کی راہیں مسدود ہوتی ہیں۔ یہ سوال بھی جنم لیتا ہے کہ سلف صالحین سے ماثور تفسیر عصری تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہے، آئندہ سطور میں منہج تفسیر بالماثور پر اس نوعیت کے چند اہم اشکالات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

① تفسیر بالماثور تدبر فی القرآن کے منافی ہے

قرآن مجید تفکر وتدبر پر بہت زور دیتا ہے، ایک مقام پہ یوں ارشاد ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۸۲)

''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔''

دوسری جگہ یوں فرمایا گیا ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲۴)

''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔''

یہ اور اس طرح کی دیگر کئی آیات مبارکہ قرآن مجید میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اگر تفسیر بالمأثور کا منہج اختیار کیا جائے تو آیات میں تدبر کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، تفسیر بالمأثور پر یہ اعتراض شد ومد سے اٹھایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام اللہ علوم ومعارف کا ایک سمندر ہے، جس میں علم وحکمت کے جواہر پوشیدہ ہیں۔ تفسیر بالمأثور کا منہج اس بحر بیکراں کی وسعتوں کو محدود کرنے کا نام نہیں، بلکہ اس کی وسعت سے محظوظ اور مستفید ہونے کے صحیح طریقہ کار کا تعین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعے سے اور صحابہ نے اپنے آثار کے ذریعے سے کلام اللہ کو محصور ومقید نہیں کر دیا، بلکہ اسے سمجھنے کے لیے وہ رخ دیا اور وہ سمت متعین کی ہے جس کے بغیر فہم منتشر ہو سکتا تھا اور کسی ایسی سمت پر جا سکتا تھا جو کہنے والے کا مقصود ہی نہیں۔

احادیث رسول وآثار صحابہ کو اخذ کر لینے سے تدبر فی القرآن کی وہ شاہ کلید انسان کو حاصل ہوتی ہے جو وسعت فکری کے ساتھ ساتھ سلامت فکری کی بھی ضامن ہوتی ہے۔

کتاب اللہ کے فہم کے معاملے میں اگر یہ اصولی منہج نہ اپنایا جائے تو پھر ہر شخص اپنا اپنا ''تدبر'' خود اپنی ''تحقیق'' سے سمجھے گا اور اس کے نتیجے میں چاہے پھر وہ جہاں بھی پہنچے وہ صرف اپنی ہی ''تحقیق'' اور اپنے ہی ''تدبر'' کو حق ماننے کا پابند ہوگا، نہ صرف یہ بلکہ جس خلوص سے وہ اپنے ''تدبر'' کو برحق سمجھے، اس ''خلوص'' کے ساتھ دوسرے کے ''تدبر'' کو غلط جاننے کا بھی مکلف ٹھہرے گا۔

کیا سب لوگ قرآن مجید کو ایک ہی طرح سمجھ سکتے ہیں؟ کیا انسانی عقول میں اس حد تک اتفاق واتحاد کی گنجائش ہے کہ قرآن مجید میں سب کو ایک جیسا ہی ''نظم وتناسب'' نظر آنے لگے؟ سب کا تدبر ایک جیسے ''فکر وفلسفہ'' کا حامل ہو؟ ایک چیز ایک کے لیے جائز ہے تو دوسرے کے لیے ناجائز کیوں؟ آخر اس بات کی ضمانت ہی کیا ہے کہ لازماً فلاں شخص کا تدبر ہی برحق ہے اور دوسرے نے جو سمجھا ہے وہ ضرور ہی غلط ہے؟ معاملہ اگر اس کے برعکس ہو تو؟ اگر ان سب کے لیے تفسیر مرفوع، حدیث اور صحابہ کا فہم قرآن حجت و

معیار نہیں تو پھر حیرانی و سرگردانی کا سلسلہ آخر کیسے رک پائے گا؟!

منہج تفسیر بالمأثور وحی کی تلقی کا جو انداز طے کرتا ہے، یہ وہی انداز ہے جو خود صاحب وحی کے زیر نگرانی اور اس کے زیر ہدایت پروان چڑھا ہے اور جس کی تراش خراش خود صاحب وحی کے ہاتھ سے ہوئی ہے۔ کتاب مبین کو نازل فرمانے والی علیم وحکیم ہستی خود مطالبہ کرتی ہے کہ جس کے سینۂ اطہر اور قلب امین پر میں نے قرآن نازل کیا ہے، اس کی تشریحات کی روشنی میں سب انسان تفکر وتدبر کے پابند ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾

''اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جائیں جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔'' (النحل:٤٤)

صاحب وحی اور مخاطبین وحی کو نظر انداز کر کے یا ثانوی حیثیت دے کر مصحف شریف اٹھا کر اس پر تدبر شروع کر دینا، یقیناً قرآن مجید کے طریقہ نزول اور مقصود نزول دونوں ہی کے منافی ہے۔ احادیث وآثار سے قطع نظر صرف مصحف شریف سے استنباط واستدلال کے ذریعے سے تو بعض دفعہ منافق انسان بھی اپنی زبان آوری کی بنیاد پر اپنے فہم کا سکہ منوالیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا خوب فرمایا ہے:

«لا تجادلوا بالقرآن، ولا تكذبوا كتاب اللّٰه بعضهٗ ببعض، فواللّٰه! ان المؤمن ليجادل بالقرآن فَيُغْلَبُ، وان المنافق ليجادل بالقرآن فَيَغْلِبُ» ①

''قرآن مجید کو اپنے بحث وتکرار کا ذریعہ نہ بناؤ نہ ہی کتاب الٰہی کی کچھ آیات کو بہانہ بنا کر دوسری آیت کی تکذیب کرو، اللہ کی قسم! بلا شبہ بعض دفعہ مؤمن صادق قرآن کی روشنی میں بحث کرتا ہے، لیکن شکست کھا جاتا ہے اور بلا شبہ بعض دفعہ منافق قرآن کے ذریعہ بحث کرتا ہے اور مؤمن کو شکست دے دیتا ہے۔''

---

① سلسلة الأحاديث الصحيحة، البانی، حدیث (٣٤٤٧)۔

② منہج تفسیر بالمأثور عصری تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا

ایک اعتراض یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ تفسیر بالمأثور کا منہج آج کے ترقی یافتہ حالات کے شانہ بشانہ چلنے سے قاصر ہے۔ آج کی دنیا میں سائنسی و عمرانی علوم اپنے تمام شعبہ جات میں افکار ونظریات سے تجربات و مشاہدات تک انتہا درجہ ترقی حاصل کر چکے ہیں۔ صحابہ و تابعین کی بزرگی و تقدس اپنی جگہ مسلم، لیکن ترقی و ارتقا کی اس بدلتی اور ہنگامہ خیز دنیا میں، آخر ہم ان کی انگلی پکڑ کر کہاں تک چل سکیں گے؟

فہم قرآن میں بالخصوص اور فہم دین میں بالعموم عہد سلف کی اتباع اور اس کا تسلسل بننے کی دعوت کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ اب ہر ''نئی'' بات اور ہر ''نیا'' کام کرنے پر پابندی لگ جائے گی اور یہ کہ اپنے عہد کے حوادث اور پیش آمدہ فقہی و سماجی مشکلات کا حل تلاش کرنے پر قدغن لگ جائے گی حتی کہ اجتہاد کرنا شجر ممنوعہ اور اپنی رائے پیش کرنا جرم قرار پائے گی۔ اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ قرآن سمجھا جا چکا ہے اور اب اس کے فہم کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔

یہ خدشات تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل اور خلفائے راشدین کے طرز خلافت اور اسالیب و اجتہادات سے رفع ہو جاتے ہیں۔ خود صحابہ کرام نے ایک دوسرے سے اختلاف رائے کیا اور دلیل کی بنیاد پر اپنا موقف پیش کیا۔ خلافت اسلامیہ کی حد درجہ وسعت سے پیش آمدہ قضایا وحوادث کے متعلق کامیاب حل بھی پیش کیے۔ صحابہ کے فیض یافتگان تابعین نے انہی کے نہج پر چلتے ہوئے، انہی کے طے کردہ خطوط پر اپنے دور کے تقاضوں کو بکمال خوبی پورا کیا اور سلف کے فکر و عمل کو زبردست تطبیق دی۔ اتباع تابعین نے تو سلف کے ورثے کو باقاعدہ مدون علوم کی شکل دے دی۔ لیکن یہ سب کچھ ایک سلسلہ تھا، ایک دائرہ تھا اور ایک بنیاد پر تھا...... نہ کہ ہر ذہین شخص کی اپنی ذہنی اپج اور ہر فصیح اللسان کی اپنی اختراع...... اس گراں قدر علمی و عملی کاوش کے باوصف اور تنوع و اختلاف کے باوجود، اصول و عقائد میں یکسانیت تھی، مصادر تفسیر کی بات ہو یا فہم دین کا مسئلہ، منابع طے شدہ تھے...... قرآن، حدیث، آثار صحابہ، سلف کا تعامل اور بس۔

نئے کا امکان بھی ختم نہ ہو، عجائبات قرآن کے دروازے بھی مقفل نہ ہوں اور سلف سے رشتہ بھی ٹوٹنے نہ پائے، یہی منہج تفسیر بالماثور ہے۔

تفسیر قرآن کی راہ میں احادیث رسول اور آثار صحابہ وتابعین درحقیقت ہمیں بہت سی غیر ضروری محنت اور تضییع اوقات سے بچاتے ہیں۔ یہ فہم قرآن کی ایسی مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ جس پر معاشروں کی ایک مستحکم اور طویل (المعیاد) عمارت استوار کی جاسکتی ہے۔ اصول اور مسلمات جنہیں چھیڑنا تک روا نہ ہو، جس پر معاشرہ کامل یقین و ایمان رکھتا ہو، جن پر چلتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن ہوا جاسکے اور پھر غوایت وضلالت کا کوئی اندیشہ نہ رہے اور قدم قدم پر رکنا نہ پڑے، یہ تو ہماری بنیادی ضرورت ہے اور سلف کا راستہ اس درد کا مداوا...... اس کے علاوہ اور ہمیں کیا چاہیے؟ محض چلنا رہ جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے ہمیں خود ہی چلنا ہے۔

کتنا فرق ہے اس منہج میں جس میں راستے کی نشاندہی ہو اور درست ہونے کی بھی ضمانت حاصل ہو...... اور اس منہج میں جس میں راستہ کی تلاش بھی ابھی باقی ہو......!! اور ایک ایک قدم کی بابت طویل بحثیں کرنا بھی ......!! یہ حقیقت ہے کہ آج کی پرآشوب دنیا نئے نئے مسائل کا شکار ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کی دنیا کے ایک ایک صفحہ پر جدید مسائل رقم ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ عمرانی علوم آسمان سے باتیں کر رہے ہیں...... یہ سب حقیقت ...... لیکن اس میں آخر پریشانی کی بات ہی کیا ہے؟ فہم قرآن میں احادیث رسول اور روایت صحابہ کا التزام آخر اس بات ہی کی تو ضمانت ہے کہ ہمارا فہم قرآن خالص ہے، ''وحی'' پر مبنی ہے اور ہم نے ''وحی'' کو اس کی اصلی شکل میں سمجھا ہے، وہ وحی جو ازلی ہے...... ابدی ہے...... جو نور ہے...... اور جس کی روشنی اس قدر ضیا بار ہے کہ قیامت تک پیش آمدہ مسائل کا حل اس میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بس اس کے بعد اپنے دور کو سمجھنے کی ضرورت باقی ہوگی، اپنے دور کے علوم سے آگاہ ہونا ہوگا اور وحی کو ان پر منطبق کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ آج کے تقاضوں کے مطابق وحی کو کیسے منطبق کرنا ہے؟!

بصورت دیگر ہر دور کے ذہین انسان، ازلی و ابدی وحی پر اپنے افکار و تدبرات کا ''فانی'' رنگ چڑھاتے رہیں گے اور ہم چند قدم بھی نہیں چل پائیں گے کہ فانی رنگ فنا ہو جائے گا اور ہمیں رک کر پھر جائزہ لینا پڑے گا کہ آیا جسے ہم سمجھے تھے وہ وحی کی روشنی تھی یا کسی ''مجدد'' کا فکر و فلسفہ!!

☆ وحی اپنی اصلی اور خالص شکل میں۔

☆ وحی کا صحیح مفہوم اور اس سے تعامل کا وہی درست طریق کار، جو شارع کے زیر اثر قرن اول میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

☆ اپنے دور سے واقف، باشعور انسان

☆ انہی تین امور کا اجتماع ہر دور کے ہر مسئلہ کا حل بتانے کے لیے کافی ہے۔[1]

مغالطے کی ایک اور وجہ

بسا اوقات اثری منہج کے بارے یہ اشکالات اس وجہ سے بھی جنم لیتے ہیں کہ الحاد و دہریت اور اباحیت اپنے عروج پر ہیں، تہذیب مغرب کی چکا چوند سے مسلم معاشرے مرعوب و مغلوب ہیں۔ اس صورت حال میں بعض افراد اور بعض مناہج کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ''اسلامی'' بھی رہیں اور ''عصری'' بھی، ''آزاد خیال'' بھی رہیں اور ''اسلام و قرآن'' کا سرٹیفکیٹ بھی انہیں حاصل رہے اور ان کی اباحیت پسندی اور اتباع اہوا کو قرآن حکیم کی سند توثیق میسر آجائے!! ظاہر ہے کہ تفسیر بالمأثور کا منہج ان تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

اس معنی میں یہ منہج زمانے سے ہم رنگ ہونا جانتا ہی نہیں، اس کی بنیاد ہی اس فکر پر ہے کہ یہ وحی کا رنگ نہیں بدلے گا۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟ حامد کمال الدین۔ اس موضوع پر یہ کتابچہ مختصر مگر بہت جامع ہے۔

③ تفسیر القرآن بالحدیث کے بارے میں اشکالات

تفسیر القرآن بالحدیث کے بارے بعض مصنفین کئی طرح کے اشکالات کا شکار ہوئے ہیں، بالخصوص دو اشکال کثرت سے عائد کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ مرفوع تفسیری روایات کی تعداد بہت کم ہے۔ دوسرا یہ اعتراض بھی اٹھایا جاتا ہے کہ تفسیری روایات اکثر و بیشتر بے اصل ہیں اور پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، جب ایک چیز سرے سے غیر ثابت ہو تو تفسیر قرآن میں ہم اس پر اعتماد کیسے کر سکتے ہیں؟ آئندہ سطور میں ہم ان دونوں اشکالات کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

پہلا اشکال

مرفوع تفسیری روایات سے مراد وہ احادیث مبارکہ ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تفسیر کی ہو، دوسرے لفظوں میں ہم اس اشکال کو اس طرح زیر بحث لا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بہت کم مقامات کی تفسیر فرمائی ہے۔

اگر دلائل پر غور کیا جائے تو اس اشکال میں کوئی وزن نہیں، ذیل میں چند ایسے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تفسیر قرآن کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے۔

① رسول اللہ ﷺ کا فریضۂ تبلیغ قرآن

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ نبوت میں قرآن مجید کی تبلیغ کو سرفہرست رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ﴾ ''اے پیغمبر جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو'' (المائدۃ:٦٧)

امت کا اس پر اجماع بلکہ ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تبلیغ میں اپنا فرض پوری طرح ادا فرمایا ہے، ظاہر ہے قرآن مجید کو امت تک پہنچانے میں دو ہی چیزیں شامل ہیں:

① قرآن مجید کے ظاہری الفاظ پہنچانا، آپ ﷺ اس فریضہ سے بھی سبکدوش ہوئے۔
② قرآن مجید کے مفاہیم سکھانا اور پہنچانا، یقیناً آپ ﷺ نے یہ فرض بھی بدرجۂ اتم ادا فرمایا۔
اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو قرآن کے ظاہری الفاظ پہنچانے پر اکتفا کیا اور معانی و مفاہیم نہیں پہنچائے تو نعوذ باللہ منصب رسالت پر حرف آتا ہے!

② رسول اللہ ﷺ کا منصب تشریح قرآن

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت میں ﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ (البقرة:١٢٩) یعنی تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا ہے، نیز ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:٤٤) ''اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو۔'' کہہ کر قرآن مجید کی تبیین و تشریح کی ذمہ داری آپ کو تفویض فرمائی ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے ہوں؟!

③ صحابہ کرام کی شہادت

صحابہ کرام کے بیانات واضح کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کے محض الفاظ حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہر ہر آیت کے معانی و مفاہیم اور اس پر عمل کا انداز بھی سیکھا۔

جناب ابوعبدالرحمن سلمی بیان کرتے ہیں:

''لقد حدثنا الذين كانوا يقرؤوننا القرآن كعثمان بن عفان و عبداللّٰه بن مسعود وغيرهما أنهم كانوا اذا تعلموا من النبى ﷺ عشر آيات لم يجاوزوها حتى يتعلموا ما فيها من العلم والعمل به،قالوا:فتعلمنا القرآن والعلم والعمل جميعاً''[1]

ہمیں ان لوگوں (صحابہ) نے بتایا جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے، یعنی

[1] مقدمه فى أصول التفسير، لابن تيميه، ص٦۔

سیدنا عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے دس آیات سیکھتے اور جب ان دس آیات میں پائے جانے والے علم وعمل کے پہلو سیکھ نہ لیتے آگے سبق حاصل نہ کرتے، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن، علم اور عمل تینوں کی تعلیم بیک وقت حاصل کی ہے۔

صحابہ کرام کس قدر صاف الفاظ میں وضاحت فرما رہے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی آیات، ان کے مفاہیم اور ان پر عمل کا طریقہ ایک ساتھ سیکھا اور یہ بات تو ایک ادنیٰ طالبعلم پر بھی واضح ہے کہ صحابہ دین کی تعلیم کو آگے پہنچانے پر مامور تھے۔ دین کی تعلیم میں قرآن مجید کی تعلیم سے زیادہ اہم کیا چیز ہوسکتی ہے؟ کیا صحابہ نے قرآن سیکھنے کے بعد اسے آگے پہنچانے میں کوتاہی کی یا نعوذ باللہ اس فرض کی ادائیگی میں ذمہ داری کا ثبوت فراہم نہیں کیا؟! یہ تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے قرآن مجید کے مفاہیم واضح فرمائے اور صحابہ نے تابعین تک وہ مفاہیم بطریق احسن پہنچائے۔

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے:

"رأيت مجاهدا يسأل ابن عباس عن تفسير القرآن، معه ألواحه،فقال ابن عباس: اكتب، حتى سأل عن التفسير كله"[1]

میں نے مجاہد کو دیکھا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر کے بارے پوچھ رہے تھے، ان کے پاس تختیاں موجود تھیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لکھتے جاؤ، حتی کہ مجاہد نے ان سے مکمل تفسیر پوچھ لی۔

ابن الندیم نے الفہرست میں ایسے واضح قرائن ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین اپنے اساتذہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افادات کو تحریر کیا کرتے تھے اور ان سے آگے تفسیری مجموعے تیار کرتے تھے۔[2]

---

① تفسیر طبری،١/ ٩٠۔ ② مناهل العرفان، زرقانی، ١/٤٨١، مباحث في علوم القرآن، مناع القطان، ص٣٤٧۔

④ حصول علم میں انسان کی شہادت

خود بنی نوع انسان کا کسی بھی تعلیم کے حصول میں رویہ بتلاتا ہے کہ انسان بالعموم جب طب، ہندسہ، حساب یا جغرافیہ وغیرہ کی کوئی کتاب پڑھتا ہے، تو اس کا فہم بھی حاصل کرتا ہے اور اسے سمجھنے کا شائق بھی ہوتا ہے۔

کتاب اللہ اور کلام رب العالمین ...... جو دستور زندگی ہے اور منشور حیات جو باعث نور و ہدایت ہے اور میزان حق و باطل...... کیا اس کے متعلق سوچا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام اسے بلافہم حاصل کرتے رہے اور اسی طرح بلافہم آگے پڑھاتے رہے؟!

⑤ تدبر و فہم قرآن کا حکم الٰہی

خود قرآن مجید اپنے تدبر و فہم پر زور دیتا ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾(ص:٢٩) ''(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد:٢٤) ''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔'' ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ (النساء:٨٢) ''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔'' ان واضح احکام الٰہیہ کے ہوتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ نبی کریم ﷺ نے تدبر فی القرآن اور فہم قرآن کی تعلیم نہ دی ہوگی!

مذکورہ دلائل کی روشنی میں قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح پیش فرمائی۔

مغالطے کی اصل وجہ

ان دلائل کے باوجود کچھ لوگوں کو اس وجہ سے مغالطہ ہوا ہے کہ وہ موجودہ تفسیری کتب اور موجودہ طرز تفسیر کی روشنی میں مرفوع حدیث میں یہ تلاش کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آیت کی تلاوت فرما رہے ہوں، اس کے بعد ایک ایک لفظ کی لغوی تشریح بیان فرما رہے ہوں، پھر اس کا اجمالی مفہوم اور پھر اس کی تفصیلات پیش فرما رہے ہوں تو یہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی تفسیر شمار ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نہ تو یہ اس وقت کا تقاضا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام کو عرب ہونے کی بنا پر اس طرز تفسیر کی ضرورت تھی، نہ ایسے ہوا اور نہ ہی ایسی احادیث ہم تک پہنچیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب تفسیر

رسول اللہ ﷺ کا ایک اپنا اسلوب تھا، جس کے مطابق آپ نے اپنی پوری حیات طیبہ میں قرآن مجید کی علمی و عملی تفسیر فرمائی، رسول اللہ ﷺ کے اسلوب تفسیر کا خلاصہ درج ذیل نکات کی روشنی میں پیش کیا جاسکتا ہے:

① بہت قلیل احادیث ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی مفہوم بیان فرما کر اس کے متعلقہ آیت تلاوت فرمائی یا کوئی آیت تلاوت فرما کر اس کی تفسیر پیش فرمائی۔

چنانچہ درج ذیل واقعات سے اس کی وضاحت پیش خدمت ہے:

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے دولت دی اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ نکالی، اس کی دولت گنجے سانپ کی شکل میں اس کے سامنے لائی جائے گی، اس کے دو نقطے ہوں گے اور روز قیامت اس مالدار کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، سانپ اس کی دونوں باچھوں سے پکڑ کر کہے گا: ((أنا مالك، أنا كنزك)) ①

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ

① صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر (٤٥٦٥)۔

هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ (آل عمران:۱۸۰)

''جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔ (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔ اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔''

☆ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''یہاں تک بعض لوگ اپنے ہی پسینے میں نصف کان تک ڈوبے ہوئے ہوں گے۔''[1]

② بعض قلیل مواقع پر صحابہ کرام کو اشکال ہوا، انہوں نے استفسار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے آیت مبارکہ کی تشریح فرمائی، درج ذیل احادیث مبارکہ میں یہ اسلوب تفسیر نمایاں ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ (الأنعام:۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔'' کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ نے ''ظلم'' کا مفہوم متعین کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، اصحاب رسول اللہ ﷺ پر بہت گراں گزری اور وہ کہنے لگے: ہم میں سے کون ہے جس

---

[1] صحیح البخاری،کتاب التفسیر،باب:یوم یقوم الناس،لرب العالمین، حدیث (٤٩٣٨)، صحیح مسلم،کتاب الجنة،باب فی صفة یوم القیامة،حدیث (٢٨٦٢)۔

نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ (یعنی انہوں نے ظلم کو عام غلطی کے معنی میں سمجھا)، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لیس کما تظنون، إنما قال لابنه: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ ’’اس کا مفہوم یہ نہیں جو آپ لوگوں نے سمجھا ہے، (اس سیاق میں) ظلم سے مراد صرف وہ ظلم ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک مت کرنا، بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔‘‘[1]

روزوں کے سیاق میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ:۱۸۷)

’’اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔‘‘

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ نازل ہوئی تو میں نے سیاہ اور سفید دو دھاگوں کا انتظام کیا اور انہیں اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا، کہتے ہیں: میں ان دھاگوں کو دیکھتا، جب سیاہ وسفید نمایاں دکھائی دینے لگے تب سحری سے رکا، صبح میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اس طرز عمل کے بارے میں آپ کو بتایا، آپ نے فرمایا: «إنّ وسادك إذًا لعريض، إنما ذالك بياض النهار وسواد الليل» ’’تیرا تکیہ تو بڑا وسیع وعریض ہے، اس سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔ نہ کہ دھاگے کی سفیدی اور تاریکی۔‘‘[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث ٤٦٢٩۔

[2] صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض، حديث (٤٥٠٩)، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر، حديث (١٠٩٠)۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴾

''اور جو دے سکتے ہیں دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی لوٹ کر جانا ہے۔'' (المؤمنون:٦٠)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں استفسار کیا کہ آیا اللہ کی راہ میں ڈرتے ہوئے خرچ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو چوری کرتے، زنا کرتے اور شراب پیتے ہیں، اس لیے وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«لا! یا بنتَ الصدیق ولکنه الذی یصلی ویصوم و یتصدق وھو یخاف اللّٰه (عزوجل)» ①

نہیں! اے بنت صدیق (اس سے وہ لوگ مراد نہیں)، بلکہ اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں، جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ہیں (کہ کہیں ان کا صدقہ شرف قبولیت سے محروم نہ رہ جائے)۔''

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

''انہوں نے اپنے علماء، مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔'' (التوبة:٣١)

اس آیت مبارکہ میں عیسائیوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنالیا۔ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ چونکہ عیسائیت سے وابستہ رہ چکے تھے، انہیں اشکال پیدا ہوا کہ عیسائی لوگ تو اپنے علماء و مشائخ کی عبادت نہیں کرتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی: ''کیوں نہیں! احبار نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا، عیسائیوں نے اس بارے میں اپنے احبار و رہبان کی اتباع کی، عبادت سے یہی مراد ہے۔'' ②

---

① مسند أحمد، سلسلة الأحادیث الصحیحة، ألباني، حدیث (١٦٢)۔

② تفسیر ابن کثیر، ١/ ٥١٨۔

③ قرآن مجید کی بہت ساری آیات اپنے آپ میں خود اتنی واضح ہیں کہ عربی آدمی کے لیے ان کی تشریح وتفسیر کی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً سورۂ یوسف، سورۂ کہف، سورۂ بقرہ، میں بنی اسرائیل کے بارے میں کئی آیات اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات میں نازل شدہ آیات۔

④ احکام ومسائل اور فقہیات سے متعلقہ تمام آیات کی نبی کریم ﷺ نے اپنی قولی، فعلی اور تقریری احادیث کے ذریعے سے وضاحت فرمائی۔

لیکن اس میں بھی آپ ﷺ کا اسلوب یہ نہیں تھا کہ آپ ایک ایک آیت کی الگ الگ تشریح فرمائیں۔ یہ مفسر کی ذمہ داری ہے کہ احادیث الأحکام میں گہری بصیرت پیدا کرے اور جس جس آیت قرآنی کی جو حدیث تفسیر بنتی ہے وہاں اسے چسپاں کرے۔

⑤ دیگر تمام آیات کی تفسیر کے بارے میں بھی آپ کا یہی اسلوب رہا، کہ قرآن مجید کے تمام محتویات ومضامین اور مقاصد واہداف کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے مختلف مقامات پر اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعے سے ان کی تفصیل وتشریح فرمائی۔ نیز اپنی پوری حیات طیبہ کو قرآن مجید کے سانچے میں ڈھالا، یہاں تک آپ قرآن مجسم بن گئے، اس معنیٰ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا خوب کہا: ”کان خلقه القرآن“ نبی کریم ﷺ کا اخلاق قرآن مجید تھا۔[1]

ایک اہم اصول: جس طرح تفسیر القرآن بالقرآن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود قرآن مجید اپنی کچھ آیات کو دوسری آیات کے لیے تفسیر قرار دے بلکہ یہ مفسر کا فرض ہے کہ وہ ایک موضوع پر مشتمل تمام آیات قرآنیہ کو دیکھے اور پھر اپنے اجتہاد سے بعض آیات کی تفسیر دوسری آیات کے ذریعے سے پیش کرے۔

بالکل اس طرح تفسیر القرآن بالحدیث کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنی کسی حدیث کو کسی آیت کی تفسیر قرار دیں، بلکہ یہ مفسر کا فریضہ ہے کہ زیر تفسیر آیت

---

① صحیح مسلم، حدیث (٧٤٦)، اس حدیث کے طرق اور شواہد کے لیے ملاحظہ ہو: صحیح الجامع، للألبانی، حدیث (٤٨١١)، تفسیر ابن کثیر تفسیر سورة القلم، ٤ / ٤٣٦۔

سے متعلقہ احادیث کو جمع کرے اور وہ احادیث، آیت مبارکہ کے جس پہلو کو واضح کر رہی ہوں، ان کی روشنی میں اس گوشے کو واضح کرے۔ اس لحاظ سے بسا اوقات تفسیر القرآن بالحدیث میں بھی مفسر کے ذاتی اجتہاد کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

دوسرا اشکال

ایک یہ اشکال شدومد سے کئی حلقوں میں پیش کیا جاتا ہے کہ خود امام اہل الحدیث، امام اہل السنۃ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو کہ صاحب البیت کی حیثیت رکھتے ہیں، فرمایا ہے: "ثلاثة أمور ليس لها اسناد: التفسير والملاحم والمغازي"

یعنی تین موضوعات بے سند ہیں: تفسیر، جنگی کارنامے، اور غزوات۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ کا تتبع کرنا چاہیے، تا کہ حقیقت تک پہنچا جا سکے۔ امام احمد کا یہ قول خطیب بغدادی نے باسند نقل کیا ہے اور اس کی تین قسم کی عبارات متفرق مصادر سے ملتی ہیں:

① ایک عبارت یوں ہے: "ثلاثة أمور ليس لها اسناد: التفسير، والملاحم، والمغازي۔"[1] ''تین امور بے سند ہیں: تفسیر، ملاحم اور مغازی۔''

② دوسری عبارت اس طرح مروی ہے: "ثلاثة أمور ليس لها "أصل"[2] ''تین امور بے اصل ہیں۔''

③ تیسری عبارت کے الفاظ یہ ہیں: "ثلاثة علوم لا اسناد لها: التفسير والملاحم والمغازي"[3] تین علوم بے سند ہیں: تفسیر، ملاحم اور مغازی۔''

ان تینوں عبارات کو ملانے سے مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے۔ ''تین علوم کی اسناد نہیں ہے: تفسیر، ملاحم اور مغازی۔''

---

① الجامع لأخلاق الراوي و آداب السامع، الخطيب البغدادي، ٢/ ١٦٢۔
② مقدمة اصول التفسير، ابن تيميه، ص ٢٠۔
③ الجامع لأخلاق الراوي، الخطيب البغدادي، ٢/ ١٦٢۔

خطیب بغدادی کی توجیہہ

اس قول کے ناقل علامہ خطیب بغدادی کے نزدیک امام احمد رحمہ اللہ نے یہ عبارت مخصوص کتب کے بارے میں کہی ہے نہ کہ مطلقاً ان علوم کے بارے میں۔ یعنی تفسیر، ملاحم اور مغازی کی چند کتب بالکل بے سند ہیں۔

ڈاکٹر مساعد الطیار کی توجیہہ

علوم القرآن پر کئی جید کتب کے مصنف ڈاکٹر مساعد کے نزدیک اس قول کو چند کتب پر محمول کرنے کا کوئی قرینہ نہیں، لہٰذا اس سے مخصوص کتب مراد نہیں لی جا سکتیں۔ موصوف کے نزدیک اس سے تینوں علوم کی مرسل روایات مراد ہیں۔ بالخصوص تفسیر میں اسباب النزول سے متعلقہ روایات مراد ہیں، کیونکہ اسباب النزول میں اکثر تابعی یا تبع تابعی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش آمدہ کوئی واقعہ بیان کر دیتا ہے۔

تابعی اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انقطاع اور فاصلے کی وجہ سے تابعی کا بیان کردہ سبب النزول بے سند اور مرسل قرار پاتا ہے۔ موصوف کے نزدیک ایک اور توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اسناد سے مرفوع احادیث مراد لے رہے ہیں، کہ تینوں علوم میں مرفوع احادیث باسند نہیں ہیں۔ ①

تجزیہ

راقم کے نزدیک امام احمد کے اس قول کو ان کی باقی زندگی اور خدمات حدیث سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کسی شخصیت کے اتنے بڑے دعوے کو سمجھنے کے لیے اس شخصیت کے باقی نظریات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے اور دیگر ثابت شدہ حقائق کو بھی، چنانچہ درج ذیل حقائق سے کسی کو انکار نہیں کہ

---

① شرح مقدمة أصول التفسير، لابن تيمية، مساعد الطيار، ص١٦٧-١٦٩۔

(الف) امام احمد، مسند احمد جیسی عظیم کتاب کے مصنف ہیں، جس میں وہ باسند احادیث تفسیر اور احادیث ملاحم ومغازی لے کر آئے ہیں۔

(ب) امام احمد، علی بن ابی طلحہ کی سند سے مروی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفسیری اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بمصر صحیفة فی التفسیر، رواها علی ابن ابی طلحة عن ابن عباس لو رحل رجل فیها الی مصر ما کان کثیراً"[1]

''مصر میں تفسیر کا ایک کتابچہ ہے جسے علی ابن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اگر کوئی شخص اس کے حصول کے لیے مصر تک سفر کرے تو یہ کوئی زیادہ سفر نہیں۔''

(ج) صحیح بخاری میں امام بخاری نے اس صحیفہ پر اعتماد کیا ہے۔[2]

(د) کتب احادیث میں تفسیر اور مغازی کے بارے میں مسند احادیث کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔

اس کے پس منظر میں اگر امام احمد کے اس قول کو دیکھا جائے تو ان کے اس قول کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ امام صاحب اپنے اس قول سے علم مغازی، علم ملاحم، اور علم تفسیر کی وہ تفصیلات ومرویات مراد لے رہے ہیں جو بے سند ہیں، تو اس معنی میں یہ قول اپنی جگہ حقیقت ہے۔ سیر ومغازی کی بہت ساری تفصیلات، مثلاً شرکاء جنگ کی تعداد، مقتولین کی تعداد، شہداء کی تعداد، تلواروں کی تعداد، گھوڑوں اور نیزوں کی تعداد اور کچھ پیش آنے والے واقعات میں راویوں کا بھرا ہوا رنگ بتلاتا ہے کہ واقعۃً ہی اس طرح کی کئی تفصیلات کی متصل سند موجود نہیں ہے۔

اس طرح علم تفسیر میں بعض واقعات کی رنگ آمیز تفصیلات، متعدد اسرائیلی روایات و حکایات، ہر سورت کے فضائل میں احادیث اور روافض کے ہاں اہل بیت کے فضائل میں

---

[1] امام احمد کے اس قول کو ابوجعفر النحاس نے اپنی کتاب ''الناسخ'' میں باسند ذکر کیا ہے۔ بحوالہ: الاتقان، سیوطی، ص ۸۸۰۔ [2] ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب التفسیر۔

من گھڑت روایات کی ایک کثیر تعداد، جسے وہ بعض آیات کی تفسیر میں لے آتے ہیں، اس طرز کی تفسیری روایات واقعۃً بے اصل ہیں۔

امام صاحب اس طرح کی روایات اور ان تینوں علوم میں مدوّن بعض رطب و یابس مواد کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ ان تینوں علوم کے متعلق اس نوعیت کی تفصیلات بے سند ہیں۔

امام احمد کے صرف اس قول کو پکڑ لینا، اس کی بے سروپا توجیہات پیش کرنا اور دیگر علمی حقائق چھپانا یقیناً بہت بڑی جسارت اور خیانت ہے۔

تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کی اصطلاح پر اعتراض

تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کی اصطلاحات میں بعض دفعہ ایک ابہام اس حوالے سے پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر بالمأثور میں بھی تو رائے کا استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح تفسیر بالرأی میں آیات و احادیث اور آثار صحابہ سے بھی کام لیا جاتا ہے، پھر ان دونوں اصطلاحوں میں حدّ فاصل کس بنیاد پر قائم کی جائے گی؟

اس اشکال کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① تفسیر ماثور جسے تفسیر منقول بھی کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ایک تغیر پذیر اصطلاح ہے۔ کیونکہ اس کا انحصار سلف سے نقل پر ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایک تفسیری قول عہد صحابہ میں اجتہاد پر مبنی ہو تو اس عہد میں وہ تفسیر بالرأی ہے، لیکن وہی قول عہد تابعین میں تفسیر بالمأثور ہو جائے گا۔ اسی طرح تابعین کے تفسیری اجتہادات ان کے عہد میں ''تفسیر بالرأی'' کے زمرے میں آتے ہیں، لیکن وہی اقوال تبع تابعین کے لیے ''تفسیر بالمأثور'' قرار پائیں گے۔ اس لحاظ سے جیسے جیسے فاصلے بڑھتے جائیں گی، منقول تفسیر کا حجم وسعت اختیار کرتا جائے گا، اور جیسے جیسے عہد نبوی ﷺ کی طرف فاصلے کم پڑتے جائیں گے، منقول تفسیر کی کمیت محدود ہوتی جائے گی۔

② اشکال کی ایک اور جہت یہ بھی ہے کہ عہد تدوین سے لے کر اب تک کے تفسیری

ورثے کو منقول اور معقول کے دو دائروں میں قطعی طور پر علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنا کافی مشکل مرحلہ ہے۔ اس لیے کہ تفسیر بالماثور میں بھی احادیث و آثار اور اقوال کا انتخاب بہر حال مفسّر کی ذاتی رائے، شخصی رجحانات اور مطالعہ کی بنیاد پر ہوتا ہے، اسی طرح منقول اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا، اسے اختیار کرنا، دیگر اقوال کو سرے سے ذکر ہی نہ کرنا یا مرجوح قرار دینا یہ سب مراحل بھی عقل و اجتہاد پر مبنی ہوتے ہیں۔

دوسری طرف تفسیر بالرأی میں مفسّر کے سامنے دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث و آثار کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے، متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تفسیر بالرأی بالخصوص تفسیر بالرأی المحمود میں آیات، احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین سرے سے ذکر ہی نہیں کیے جاتے۔

اس اشکال کی شدّت اور نوعیت کا اندازہ یہاں سے کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر مساعد الطیار جیسے قلمکار، کہنہ مشق پروفیسر اور ماہر علوم القرآن نے اس تقسیم کو ہی تسلیم کرنے سے تأمّل کا اظہار کیا ہے۔ا موصوف کے نزدیک ''تفسیر بالمأثور'' کے بالمقابل اصطلاح ''تفسیر بالرأی'' جچتی ہی نہیں؛ کیونکہ رائے کا استعمال دونوں میں ہوتا ہے۔[1]

تجزیہ

راقم کے نزدیک یہ دونوں اصطلاحات اپنی جگہ بجا اور حقیقت پر مبنی ہیں، امام ابن تیمیہ کے مقدمہ فی أصول التفسیر سے لے کر اب تک کے تمام محققین اور ماہرین علوم القرآن نے ان اصطلاحات کو نہ صرف قبول کیا ہے، بلکہ ان کی بنیاد پر کتب تفسیر کی حد بندی بھی کی ہے۔ راقم کے مطابق درج بالا دونوں اشکالات محض لفظی اور سطحی نوعیت کے ہیں، صرف الفاظ وکلمات کے گورکھ دھندے میں الجھنے سے یہ اشکالات پیدا ہوتے ہیں، روح و معنیٰ کی طرف اگر نظر رہے تو یہ اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔

[1] ملاحظہ ہو، التفسیر بالمأثور، مساعد الطیار (المکتبة الشاملة، الإصدار الثالث)۔

جہاں تک پہلے اشکال کا تعلق ہے تو یہ اشکال تفسیر بالمأثور کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے پیدا ہوا ہے۔لغوی لحاظ سے تو ہر منقول چیز ماثور ہو سکتی ہے، لیکن تفسیر بالمأثور کو لغوی طور پر نہیں، بلکہ ماہرین علوم القرآن کی ایک متفقہ اصطلاح کے طور پر دیکھنا چاہیے، اس لحاظ سے تفسیر سے متعلقہ احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین ہی ''تفسیر بالمأثور'' سے مراد لیے جاتے ہیں۔

دوسرے اشکال کی وجہ تفسیر بالمأثور اور تفسیر بالرأی کا ظاہری طور پر باہمی تداخل ہے، جبکہ حقیقت واقعہ اور روح و مقصد کے اعتبار سے یہ دونوں مناہج بالکل الگ اور نمایاں ہیں۔ ان کی حدود رجحان غالب اور غرض و غایت کے لحاظ سے بالکل واضح، علیحدہ اور متعین ہیں، بایں معنیٰ کہ تفسیر بالمأثور میں ایک مفسّر اور جامع کا رجحان غالب اور بنیادی مقصد نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرام اور تابعین کے تفسیری ورثے کی حفاظت و تدوین ہوتا ہے۔ یہی تفسیری ورثہ اگلی نسلوں تک مرتب شکل میں پہنچانا ''تفسیر بالمأثور'' کی روح اور غرض و غایت ہے۔ مفسّر کی عقل و درایت اور اجتہادات اس عظیم ورثے کی روایت اور تفہیم وتشریح میں بطور خادم کارفرما ہوتے ہیں، اور اس معنیٰ میں عقل و درایت کی ضرورت و اہمیت سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا۔ جبکہ اس کے برعکس تفسیر بالرأی میں احادیث و آثار اور فہم سلف کو قارئین تک منتقل کرنا مقصود اصلی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ایک مفسّر اپنے فہم قرآن، حاصل مطالعہ اور تفسیری اجتہادات کو قارئین تک پہنچانا چاہتا ہے، اور بطورِ تائید احادیث و اقوال کا بھی تذکرہ کرتا ہے، اگر قرآن مجید، احادیث و آثار سے واقعۃً اسی فہم کی تائید ہو رہی ہو تو یہ "تفسیر بالرأی المحمود" ہے، بصورت دیگر اسے "تفسیر بالرأی المذموم" سے تعبیر کیا جائے گا۔

فصل: 3

تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول وقواعد

قرآن کی تلاوت اور اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے بعض حقائق کو ذہن نشین کرانے کے لیے متعدد مقامات پر ان کا اعادہ کیا ہے، لیکن ہر مقام پر اندازِ بیان جداگانہ ہے۔ ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کو تفصیل سے بیان فرما دیا ہے، بعض آیات میں اگر اطلاق ہے تو دوسری آیات میں تقییداور ایک مقام پر اگر عموم ہے تو دوسرے مقام پر تخصیص فرما دی ہے۔ قرآن کے اس اسلوب کلام کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے:

"اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کرتا ہے۔

اس مبحث میں اس اصول کی وضاحت اور مثالیں پیش کی جائیں گی۔

علمائے تفسیر بالمأثور نے اپنی تفاسیر، تفسیری مقدمات اور کتبِ اصولِ تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر اس اصل پر زور دیا ہے، مقدمہ اصولِ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فان قال قائل: فما أحسن طرق التفسير ؟ فالجواب إن أصحّ الطرق في ذالك أن يُفسَّرَ القرآن بالقرآن " ①

اگر کوئی سائل پوچھے کہ طرق تفسیر میں سے بہترین طریقہ کون سا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صحیح ترین طریقۂ تفسیر یہ ہے کہ قرآن مجید کی خود قرآن مجید کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔

① مقدمه فی أصول تفسیر، ص۴۲۔

اپنے فتاوی میں بھی انہوں نے اس اصل پر زور دیا ہے۔ امام ابن کثیر نے بھی مقدمہ تفسیر میں بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ اسی اصل کو بہترین کہا ہے۔ ①

علمائے برصغیر بھی اسی اصل پر متفق ہیں۔ ②

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں مقصدِ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واعلم أنّ من أهمّ المقصود بتاليفه أمران، أحدهما بيان القرآن بالقرآن لإجماع العلماء على أن أشرف أنواع التفسير وأجلّها تفسير كتاب اللّه بكتاب اللّه، اذ لا أحد أعلم بمعنى كلام اللّه جَلَّ وعلا من اللّه جل و علا" ③

''آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ اس تفسیر نویسی کے بنیادی طور پر دو اہم مقاصد ہیں: اولین مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی خود قرآن ہی کی روشنی میں وضاحت کی جائے کیونکہ سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تفسیر کی اعلی وعظیم ترین صورت یہ ہے کہ کتاب الٰہی کی خود کتاب الٰہی کے ساتھ تفسیر کی جائے، کیونکہ کلام اللہ عزوجل کو خود اللہ عزوجل سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔''

حجیت اور عدم حجیت کے لحاظ سے تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام

تفسیر القرآن بالقرآن بذاتِ خود ایک اہم اصول ہے، لیکن تطبیق کے لحاظ سے اس کی کئی اقسام ہیں۔ ④

---

① فتاویٰ ابن تیمیہ، ١٣/ ٣٦٣۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر، ١/ ٢٤۔

② دیکھیے: علوم القرآن، تقی عثمانی، ص٣٢٨، علوم القرآن، گوہر رحمان، ٢/ ٢٢٦، فہم قرآن کے بنیادی اصول، عبدہ الفلاح، ص٤۔

③ أضواء البيان، ١/ ٧۔

④ دیکھیے: قواعد التفسیر، خالد بن عثمان السبت: ١/ ١٠٩۔

پہلی قسم

خود قرآن مجید اپنے کسی مقام کی تفسیر پیش کرے، جس کے بعد قطعی طور پر نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔①

مثال نمبر 1: سورۂ طارق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴾

''آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم، اور تم کو کیا معلوم کہ رات کے وقت آنے والا کیا ہے، وہ تارا ہے چمکنے والا۔'' (الطارق:۱۔۳)

اس کی روشنی میں ہم قطعی طور پر ''النجم الثاقب'' کو ''الطارق'' کی قرآنی تفسیر قرار دیں گے۔

مثال نمبر 2: اس طرح ''یوم الدین'' کی تفسیر خود نص قرآنی سوال و جواب کے انداز میں کرتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴾(الانفطار:۱۷۔۱۹)

''اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟، پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟، جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا۔''

مثال نمبر 3: سورۂ بقرہ میں فرمایا:

﴿ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾

''پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔'' (البقرۃ:۳۷)

اور ان کلمات کی تفسیر خود قرآن مجید نے فرما دی:

---

① شرح مقدمة فی اصول تفسیر لابن تیمیة، دکتور مساعد، ص۲۷۱۔

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾(الاعراف:۲۳)

''پروردگا رہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے''

دوسری قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری قسم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی آیت کی تفسیر اپنی زبانِ اقدس سے دوسری آیت کے ذریعے سے فرما دیں۔ صحیحین میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: [1]

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کسی ظلم کے آمیزش نہیں کی۔''

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ حکم بہت گراں گزرا؛ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ایمان کے لانے کے بعد اگر کسی بھی نوعیت کا ظلم، غلطی یا گناہ سرزد ہو گیا، تو قیامت کے دن ایسا انسان اس آیت کے مصداق امن سے محروم ہو جائے گا۔

تو آپ نے فرمایا: ''اس کا مطلب وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو۔''

کیا تم نے لقمان کا قول نہیں سنا جو اس نے اپنے بیٹے کو کہا:

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾(لقمان:۱۳)

''بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''

تیسری قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی تیسری قسم یہ ہے کہ کوئی صحابی قرآن مجید کی کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دے، اس باب میں کسی دوسرے صحابی سے اس کی مخالفت بھی ثابت نہ ہو۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الانبیاء باب واتخذ اللّٰہ ابراهیم خلیلا، حدیث ۳۳۶۰، ص، ۵٦۰۔۵٦۱ کتاب التفسیر باب ''ولم یلبسوا ایمانهم بظلم، حدیث ٤٦۲۹ ص، ۷۹۲، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب صدق الایمان، وإخلاصه، حدیث ۱۹۷۔

مثلاً: سیدنا علی رضی اللہ عنہ ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ ''اور اونچی چھت کی'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان ہے۔

پھر اپنے قول کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ پیش کرتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ﴾

''اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔'' (الانبیاء: ۳۲)

چوتھی قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی چوتھی قسم یہ ہے کہ علمائے امت متفقہ طور پر کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دیں۔

اس کی کوئی واضح مثال کتب اصول تفسیر میں دستیاب نہیں ہوسکی۔ تاہم مؤلف کے نزدیک قرآن مجید میں انبیائے کرام اور امم ماضیہ کے متکرر واقعات اس کی بہترین مثال ہیں۔ مثلاً: سیدنا آدم علیہ السلام اور ابلیس لعین کا واقعہ، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ متعدد بار قرآن مجید میں مذکور ہے اور تمام مفسرین متعلقہ مقامات قرآن کو باہم ملا کر ہی تفسیر کرتے ہیں۔ اس بارے میں کسی معتبر اہل علم سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔

پانچویں قسم

تفسیر القرآن بالقرآن کی پانچویں قسم یہ ہے کہ کوئی مفسر اپنے ذاتی اجتہاد و استنباط سے کسی آیت کو دوسری آیت کی تفسیر قرار دے، یا کسی مضمونِ قرآن کی تفسیر دوسرے مقامات سے پیش کرے۔ اس صورت میں مفسر کا مدلول اگرچہ قرآن مجید ہی ہے، اس کا مبدأ و اصول بھی صحیح اور مسلّم ہے لیکن کیا وہ آیت واقعۃً دوسری آیت کی تفسیر ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ مضمون واقعۃً قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے ثابت ہے یا نہیں؟ یہ بہر حال اس کا ذاتی اجتہاد شمار ہوگا، جو صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔

مثلاً: ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ میں اختلاف ہے کہ یہاں ''قرء'' سے مراد طہر ہے یا حیض،

کیونکہ عربی زبان میں ''قرء'' دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ علامہ شنقیطی لکھتے ہیں کہ یہاں ''قرء'' بمعنی طہر ہے، کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ ''یہاں پر نص نبوی ﷺ کے مطابق عدت سے مراد طہر ہے، لہٰذا ثابت ہوا ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ کی مطلوبہ عدت از روئے طہر ہے۔

علامہ شنقیطی آیت کی تفسیر دوسری آیت کی روشنی میں فرما رہے ہیں، لیکن بہر حال یہ ان کا اجتہاد ہے جو کہ محل خطاء وصواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

آیات الأحکام کی تفسیر میں مفسرین کا دیگر آیات سے استدلال عموماً اس طرح کی اجتہادی نوعیت کا ہے۔ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمن'' از مولانا ثناء اللہ امرتسری اور تفسیر ''تدبر قرآن'' از مولانا امین احسن اصلاحی اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

چھٹی قسم

یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کی جائے، لیکن دونوں کو ملا کر جو نتیجہ نکالا جا رہا ہو وہ احادیث نبویہ ﷺ، اقوال صحابہ یا اجماع امت کے مخالف ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ اصول بذات خود ٹھیک اور مسلّم ہے لیکن اس کی تطبیق غلط کی گئی ہے۔ اہلِ بدعت وضلالت کا یہی طرزِ عمل ہے۔

قدیم معتزلہ سے لے کر جدید عقل پرستی کی تحریکات تک اکثر ''معتزلہ ومتجددین'' اس قسم کی تفسیریں پیش کرتے رہے ہیں۔

مثلاً: مسٹر پرویز اور محمد علی لاہوری کو اس پر اصرار ہے کہ قرآن میں جس آدم کا ذکر ہے، وہ اولین فرد انسان نہیں ہیں، بلکہ نوع انسانی کے وجود پذیر ہونے کے بعد، کسی قبیلے کا ممتاز فرد تھا۔ اس مؤقف کی دلیل میں، یا یوں کہہ لیجئے کہ آیات تخلیق انسان کی تفسیر میں وہ دیگر قرآنی آیات سے ''مزعوم استدلالات'' پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن نے سجدۂ آدم کا ذکر کرتے ہوئے، جب بھی، ابلیس کی طرف سے انسانوں کو گمراہ کرنے کی انتقامی کارروائی کا ذکر کیا ہے، تو وہاں جمع کے صیغے کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

''(اس نے) کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں) کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔'' (الحجر: ۳۹)

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾

''میں ان کو (گمراہ کرنے) کے لیے ضرور بیٹھوں گا۔''

﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ﴾(الاعراف:۱۷)

''پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

ان آیات میں ''ھم'' کی ضمیر جو خواہ جری حالت میں ہے یا مفعولی حالت میں، جمع ہی کی ضمیر ہے، اس سے یوں استدلال کیا گیا ہے: ''یہاں ''ھم'' جمع کی ضمیر ہے، جس کا معنی تمام انسان ہیں، اور پھر لفظ ''اجمعین'' نے اس کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ یہ ایک فرد (آدم) یا ایک جوڑے (آدم وحوا) کا قصہ نہیں تمام انسانوں کی داستان ہے۔''[1]

پرویز صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾(الاعراف:۱۱)

''یقینا ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت گری کی اور پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔''

یہاں پرویز صاحب کی بنائے استدلال یہ ہے کہ آدم کے ذکر سے قبل، بنی نوع انسان کی تخلیق کا ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خلق آدم سے قبل یہ لوگ پیدا ہو چکے تھے، لہٰذا آدم اول البشر اور ابو البشر نہیں تھے۔[2]

---

[1] تفسیر مطالب الفرقان، پرویز، ۲/ ٦٢۔

[2] مفصل وتردید کے لیے دیکھیے: تفسیر مطالب الفرقان کا علمی وتحقیقی جائزہ، ڈاکٹر محمد دین قاسمی، ۲/ ۷۲)

تفسیر القرآن بالقرآن کی چند اہم صورتیں

① قرآنی استعمالات کے ذریعے سے مفردات القرآن کی تشریح کرنا

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ وکلمات کو خود قرآن مجید کے استعمالات کی روشنی میں سمجھا جائے۔

مثال نمبر 1

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿أَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً﴾ (ھود :٨٢) ''اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر برسائے۔''

﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ﴾ (الذاریات:٣٣) اس آیت مبارکہ میں مذکور لفظ ''سِجِّيل'' کی تفسیر میں اختلاف ہے اور مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ فارسی الفاظ ''سنگ ِ گل'' کا معرب ہے۔ ''سنگ'' بمعنی پتھر اور ''گل'' بمعنی مٹی، بعض کے نزدیک سخت پتھر کو ''سِجِّيل'' کہتے ہیں، بعض کے نزدیک آسمان دنیا (یعنی جس آسمان سے پتھر برسائے گئے) اس کا نام ''سِجِّيلٌ'' ہے، بعض کے نزدیک ''سِجِّيل'' اور ''سِجِّين'' دونوں مترادف ہیں اور ان سے مراد نوشتہ الٰہی ہے، یعنی وہ پتھر اللہ تعالیٰ کے تحریر کردہ اس نوشتہ کے مطابق، جس میں اس نے فیصلہ کررکھا تھا کہ قوم لوط کو ان پتھروں سے عذاب دیا جائے گا اور بھی کئی معانی منقول ہیں۔[1] امام طبری متفرق اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری، ١٢/ ٩٣- ٩٥، تاج العروس، زبیدی، ٢٩ / ١٠٢ - ١٠٤، أضواء البيان، شنقيطي، ١ / ٢٠۔

”والصواب من القول فی ذالك عندنا ما قاله المفسّرون، وهو أنها من طين، وبذالك وصفها اله في كتابه في موضع، وذالك قوله:﴿لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾(الذاريات: ٣٣) ①

”جن مفسّرین نے ”سجیل“ کے معنی مٹی کیا ہے، ان کا قول درست ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:”تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں۔“

درج بالا اقتباس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ امام طبری تفسیری اقوال میں ترجیح دینے کے لیے تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول اپناتے ہیں۔ اور ”سجّیل“ کی تفسیر ”طین“ کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مثال نمبر 2

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (حم السجدة:٣٩)

”اور (اے بندے یہ) اسی کی قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی (یعنی خشک) دیکھتا ہے۔ جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہوجاتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾

”اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو شاداب ہوجاتی اور ابھرنے لگتی ہے۔“(الحج:٥)

① التفسير الطبری: ١٢/ ٩٤۔

عربی زبان میں کسی چیز کی ہلاکت اور موت کو ''ھمود'' کہتے ہیں۔ هَمَدَ يَهْمُدُ هُمُوْدًا فهو هَامِدٌ وهمِيدٌ۔ امام اصمعی کہتے ہیں: جب آگ کی تپش کم پڑ جائے تو کہتے ہیں: خَمَدَتِ النَّارُ، اور جب بالکل بجھ جائے تو کہتے ہیں: هَمَدَتِ النّار، اور جب راکھ بن جائے تو: ''هَبَا يَهْبُوْا''، استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح زمین میں جب روئیدگی، درخت اور نباتات وغیرہ نہ رہے اور نہ ہی بارش ہو تو کہتے ہیں: همدت الأرض۔ قرآن مجید میں بے آب و گیاہ، بنجر اور مردہ زمین کے لیے ایک مقام پر ''ھامدة'' مستعمل ہے جبکہ دوسری آیت مبارکہ میں ''خَاشِعَة''، اس صورت حال میں مفسرین ''خَاشِعة'' کی تفسیر هَامِدَة کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ①

مثال نمبر 3

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (الانبياء: ٢٠-١٩)

''اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اسی کے (مملوک اور اُسی کا مال) ہیں۔ اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں، رات دن (اُس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں (نہ تھکتے ہیں) نہ اکتاتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ﴾ (حم السجدة: ٣٨)

''تو (خدا کو بھی ان کی پروا نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔''

---

① تاج العروس، ٩ / ١٩٤۔

ان آیات کو ملانے سے استحسار، فتر اور ستم ایک دوسرے کی بہترین وضاحت پیش کرتے ہیں۔

مثال نمبر 4

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾(البقرۃ:۵۹)

''تو جو ظالم تھے، انہوں نے اس لفظ کو، جس کا ان کو حکم دیا تھا، بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا، پس ہم نے (ان) ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا، کیونکہ نافرمانیاں کیے جاتے تھے۔''

ایک دوسری آیت میں یوں ہے:

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾(الاعراف: ۱۶۲)

''مگر جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لیے کہ ظلم کرتے تھے۔''

ان دونوں آیات کو ملانے سے ظلم وفسق اور ارسال وانزال کی تفسیر سامنے آتی ہے اور ان کے معانی کا تعین ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر 5

ایک مقام پر ہے: ﴿ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾(البقرۃ:٦٠) اور دوسری جگہ پر ہے: ﴿ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ (الاعراف:١٦٠) اس سے انفجار اور انبجاس کی تشریح معلوم ہوتی ہے۔

اس طرح کے استنباطات اور تشریحات کی بنیادی رہنمائی خود شارحِ اول ومفسرِ اول صاحبِ قرآن ﷺ کے بعض ارشادات سے مترشح ہوتی ہے۔

مثلا: ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ:

﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ (المؤمن: ٦٠)

''اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔''

پڑھ کر ارشاد فرمایا: ((الدعاء هو العبادة)) [1] ''دعا ہی عبادت ہے۔''

گویا آپ کا طرز استدلال یہ تھا کہ آیت مبارکہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے "ادعونی" کہہ کر دعا کا حکم فرمایا اور آیت کے دوسرے حصہ میں اس حکم سے استکبار و انحراف کرنے والوں کو: ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ﴾ فرما کر جہنم کی وعید سنائی، جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس مقام پر عبادت سے مراد دعا ہے۔

② قراءات کے ذریعے سے تفسیر

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک اہم صورت یہ بھی ہے کہ قراءت کی روشنی میں مفردات کی تشریح کی جائے اور بعض مفاہیم کی تعیین کی جائے۔ اس بارے میں منہج تفسیر بالمأثور کا ایک اہم قاعدہ یہ ہے: "القراءات يبين بعضها بعضا" ایک قراءت دوسری قراءت کی تفسیر کرتی ہیں۔ [2]

مثال نمبر 1

قرآن مجید میں حائضہ خواتین کے بارے میں ارشاد ہے:

---

① سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (١٤٧٩)، سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء، باب فضل الدعاء، حدیث (٣٨٢٨)، جامع ترمذی، ابوب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورة البقرة، حدیث(٢٩٦٩)۔

② أضواء البيان، شنقيطی،٢/ ١٢٠؛ فصول فی أصول التفسير، مساعد بن سليمان الطيار، ص: ١٢٩؛ قواعد التفسير، خالد بن عثمان، السبت،١/٩٠۔

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾

''اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے۔ سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔ اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے خدا نے ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ۔ کچھ شک نہیں کہ خدا توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

''يَطْهُرْنَ'' میں دوسری قراءت طاء اور ھا کی تشدید کے ساتھ ''يَطَّهَّرْنَ'' ہے، جس سے طہارت میں مبالغہ کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ جب کہ ''يَطْهُرْنَ'' مطلق طہارت پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا ''يَطْهُرْنَ'' کو ''يَطَّهَّرْنَ'' یعنی خوب طہارت کے معنی پر محمول کیا جائے گا،[1] اگر عورت کا دم حیض منقطع ہو جائے، تو وہ طاہر ہو جاتی ہے، لیکن اس سے جماع کے لیے ضروری ہے کہ خون رکنے کے بعد غسل کر لے اور نہا دھو کر پاک صاف ہو جائے، اسی طرف ''يَطَّهَّرْنَ'' کی قراءت میں واضح اشارہ پایا جاتا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے صراحۃً لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے علاوہ دیگر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حیض منقطع ہونے کے بعد جب تک عورت غسل نہ کر لے اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوتی۔[2]

مثال نمبر 2

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرہ:۲۳۸)

''(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔''

---

① أضواء البيان، شنقيطي:۲/ ۱۲۰، قواعد التفسير، خالد بن عثمان السبت، ۱/ ۹۱

② تفسير ابن كثير، ۱/ ۳٦٤۔

﴿الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ درمیانی نماز کون سی ہے؟ اس کا جواب سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کی قراءت سے ملتا ہے، ان کی قراءت ایسے ہے: ''حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی صلاۃ العصر'' ①

مثال نمبر 3

سورۂ مائدہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ: ۳۸)

''اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

لیکن ہاتھوں کے کاٹنے کی تعیین موجود نہیں کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے یا بایاں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت میں دائیں ہاتھ کی تعیین موجود ہے، ان کی قراءت ایسے ہے: "السارقون والسارقات فاقطوا ایمانھم" ② ''چوری کرنے والے مرد اور خواتین کے دائیں ہاتھ کاٹ دو۔''

مثال نمبر 4

ایلاء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۲۶)

''جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں ان کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے۔ اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

---

① فضائل القرآن، لأبی عبید، ص۲۹۳۔ بحوالہ: قواعد التفسیر، ۱/ ۹۱، امام ابن کثیر نے وضاحت کی ہے کہ یہ قراءت شاذ ہے۔ اگرچہ باتفاق علماء عمل اسی کے مطابق ہے، لیکن اس کی بنیاد یہ قراءت نہیں بلکہ دیگر دلائل وشواہد ہیں۔ ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، ۲ / ۷۹۔ شیخ البانی نے بھی اس قراءت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ إرواء الغلیل، ۲۴۲۹، ۸ / ۸۱۔

② فضائل القرآن، لابی عبید، ص۲۹۳، (بحوالہ: قواعد التفسیر، ۱/ ۹۲)۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ اضافہ ہے: "فان فاء وافیھن" اس قراءت سے رجوع کی صورت و مدت متعین ہو گئی ہے۔ (البقرہ:٢٢٦)

مثال نمبر 5

سورۂ مائدہ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ (المائدہ:٨٩)

"خدا تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا، لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا۔"

ایک دوسری قراءت میں باب مفاعلہ سے الف کے اضافہ کے ساتھ "عاقدتم" جب کہ ایک اور قراءت میں تشدید کے بغیر "عَقَدْتُمْ" پڑھا گیا ہے۔ بلا تشدید و الف "عقدتم" والی قراءت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق "عقد" مراد ہے۔[1]

③ بیانات قرآنیہ کے ذریعے سے قرآن مجید کے مجملات کی توضیح اور مبہمات کی تعیین کرنا

مجمل کی لغوی تعریف

عربی لغت میں کسی چیز کے اندر موجود ابہام کے لیے کہتے ہیں: "أَجْمَلَ الأَمْرَ" اس نے معاملے کو مبہم رکھا، کسی چیز کو علیحدہ علیحدہ کیے بغیر جمع کرنے کے لیے بھی یہ تعبیر مستعمل ہے، کہتے ہیں: "أجملتُ الشيَّ إجمالاً" میں نے وہ چیز بخوبی جمع کر لی، مختصر کلام کو بھی "المجمل" کہتے ہیں۔[2]

---

① اضواء البیان، شنقیطی، ٢/ ١٢٠؛ مزید امثلہ اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: فصول في أصول التفسیر، مساعد، ص١١٩، ١٢٠۔ قواعد التفسیر، خالد السبت، ١/ ٩٣۔ ٩٩۔

② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر المحیط، للزرکشی، ٣ / ٤٥٤، الموسوعة الفقهيّة، (الکویت)، ٣٦ / ١٤٥۔

مجمل کی اصطلاحی تعریف

دو یا جن میں اس سے زائد معانی کا مساوی احتمال موجود ہو اور ایک دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح بھی نہ ہو اسے مجمل کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل "مبیَّن" کی اصطلاح مستعمل ہے۔[1]

مراقی السعود میں مجمل کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"وذو وضوح محکم، والمجمل ھو الذی المراد منه یجھل"[2]

"مجمل وہ ہے جس کی مراد میں دو یا دو سے زیادہ معانی کا احتمال ہو اور کسی ایک معنی کی ترجیح اس میں نہ پائی جائے۔"

مبہم: مبہم مجمل سے زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ ہر مجمل مبہم ہے لیکن ہر مبہم مجمل نہیں۔ مثلاً: آپ اپنے نوکر سے کہتے ہیں: "تصدق بھذا الدرھم علی رجل" یہ درہم کسی آدمی پر صدقہ کر آؤ اس کا معنی بالکل واضح ہے۔ وہ کسی پر بھی صدقہ کر آئے تو آپ کے حکم کی تعمیل بجا ہوگی۔ اس لحاظ سے یہ مجمل نہیں، کیونکہ معنی واضح ہے اور زیادہ احتمالات موجود نہیں ہیں۔ لیکن یہ مبہم ہے کیونکہ واضح نہیں کہ متعین طور پر کس آدمی کو صدقہ دیا جائے۔[3]

قرآن مجید میں مجمل تعبیرات بھی ہیں اور مبہم اشیا بھی، لیکن خود قرآن مجید اپنے بہت سارے اجمالات کو کھول دیتا ہے اور مبہمات کی تعیین کر دیتا ہے۔

مثال نمبر 1

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ (البقرہ:۳۷) "آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔" یہ کلمات کیا تھے؟ اس میں ابہام ہے، جسے خود باری تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر دور فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

---

[1] ایضاً۔ [2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اضواء البیان، شنقیطی، ۱/ ۲۴۔ ۲۵۔ [3] ایضاً۔

"پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔" (الاعراف:۲۳)

مثال نمبر 2

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا﴾

"اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔" (الاعراف:۱۳۷)

یہاں وضاحت نہیں کہ نیک وعدہ کیا تھا؟، اور وہ کیسے پورا ہوا؟ اس لحاظ سے اس میں کچھ ابہام ہے۔ اس سے قبل مذکور سیاق وسباق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ابہام دور ہو جاتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا اگر تم صبر کا دامن تھام لوگے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو گے تو وہ تمہارے دشمن فرعون کو تباہ کر دے گا اور تمہیں اقتدار سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ سے چند آیات قبل اس کی وضاحت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الأعراف: ۱۲۸ - ۱۲۹)

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔ زمین تو خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

مثال نمبر 3

ایک جگہ یوں فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (الزمر: ٧١) ''لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم محقق ہو چکا تھا۔'' دوسرے مقام پر کلمہ عذاب کی تعیین فرما دی: ﴿وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (السجدة:١٣) ''لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

مثال نمبر 4

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾

''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' (الانعام:١٥٢)

یہاں ''اشدہ'' مجمل ہے کہ کس عمر کو ''اشدہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے؟ کیونکہ عربی استعمالات کے لحاظ سے ''اشدہ'' میں کئی معانی کا احتمال ہے، بلوغ کے معنی میں بھی مستعمل ہے، تیس سال، چالیس سال بلکہ پچاس سال کی عمر پر بھی بعض عرب شعرا نے ''اشد'' کا اطلاق کیا ہے۔ ①

لیکن ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی کہ مال یتیم کے باب میں اس سے مراد بلوغت کی عمر ہے، فرمایا:

﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾

''پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:٦)

---

① أضواء البيان، شنقيطي، ١/ ١٠۔

مثال نمبر 5

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ (الدخان:۲۵-۲۸)

''وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے، اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔''

یہاں ابہام ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے باغات وغیرہ کا وارث بنایا وہ کونسی قوم تھی؟ ایک دوسرے مقام پر اس ابہام سے کچھ پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا ﴾ (الاعراف:۱۳۷) ''اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو سرزمین (شام) کے مشرق ومغرب کا ہم نے وارث بنا دیا۔'' جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انتہائی کمزور قوم تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے باغات کا وارث بنا دیا۔ ایک اور مقام پر بالکل وضاحت سے بتلا دیا کہ اس قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں:

﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (الشعراء:۵۷-۵۹)

''تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے، (ان کے ساتھ ہم نے) اس طرح (کیا) اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔''

مثال نمبر 6

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ ﴾

''جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت۔ اس میں مردوں کا

بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔‘‘ (النساء:۷)
اس میں حصے کی تعیین نہیں کی گئی۔ چند آیات کے بعد اس کی تفصیل پیش فرمائی:
﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ’’اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے۔‘‘[1]

(۴) خود قرآن مجید کی روشنی میں اطلاقات قرآنی کی تقیید کرنا

مطلق کی لغوی تعریف

’’طلق‘‘ کا مادہ عربی زبان میں آزادی، چھوٹ اور کشادگی پر دلالت کرتا ہے۔[2]
کھلے ہاتھ والے سخی انسان کو ”طلق الیدین“ کہتے ہیں۔[3] وہ اونٹنی جسے قبیلہ بھر میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہو، اور کہیں سے بھی چارہ کھا سکتی ہو اسے عرب لوگ ”طالقة“ کہتے ہیں۔[4] بے لگام اونٹنی کو بھی ”ناقة طالق“ کہتے ہیں۔[5] قیدی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے ”طلیق“ کہتے ہیں۔[6] حلال چیز کو ”طلق“ کہتے ہیں، کیونکہ اسے پابندی لگائے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔[7]

مطلق کی اصطلاحی تعریف

”هواللفظ المتناول لواحد لا بعينه ، باعتبار حقيقة شاملة لجنسه“[8]

’’وہ لفظ معین جو ایک فرد کی بجائے، اپنی جنس پر بطور ایک حقیقت شاملہ دلالت کرے اسے ’’مطلق‘‘ کہتے ہیں۔‘‘

امام سیوطی نے مطلق کی یہ تعریف کی ہے: ”المطلق الدال على الماهية بلا قيد“[9]

---

(1) النساء:۱۱؛ مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: البرهان، للزركشي، ص۳٤۸ تا ۳۵۳۔
(2) معجم مقاييس اللغة، ابن فارس، ۳/ ٤۲۰؛ ماده ”طلق“۔ (3) القاموس المحيط فيروز آبادی، ۲/ ۱۲۰۰۔ (4) ایضًا۔ (5) ایضًا۔ (6) ایضًا۔ (7) معجم مقاييس اللغة: ٤۲۰۔ (8) ارشاد الفحول، شوكاني، ص۱٦٤۔ المفردات، راغب اصفهاني، ص۲۵۳۔ (9) الاتقان، ص٥٤۔ (النوع التاسيع والاربعون، في مطلقه، مقيده)۔

''مطلق وہ ہے جو کسی ماہیت وحقیقت پر بلا قید دلالت کرے۔''

مطلق ومقید کے بارے میں دو اہم قواعدِ تفسیر

پہلا قاعدہ

مطلق کے بارے میں پہلا قاعدہ یہ ہے: "ابقاء المطلق علی اطلاقه حتی یرد ما یقیده"[1] کہ مطلق الفاظ اپنے عموم پر ہی محمول کیے جاتے ہیں، اس پر کوئی قید یا تخصیص وتعیین صرف اسی صورت میں جائز ہوگی جب اس کی دلیل موجود ہو۔[2]

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ﴾(البقرة: ١٨٥)

''(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورا کرلے۔''

اس آیت مبارکہ میں "أیام أُخَر" دوسرے دن جن میں رمضان کے روزوں کی قضا دینی ہے، مطلقاً استعمال ہوا ہے۔ صرف تعداد کی شرط لگائی گئی ہے کہ قضا شدہ روزوں کی تعداد کے مطابق ہو۔

اس بنیاد پر رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل اور لگا تار قضا کی شرط لگانا مرجوح

---

① تفسیر ابن جریر:١٠/ ٥٥٥، ٥٦١، فتح الباری، ابن حجر؛٩,٢٩٢، ٣١٣۔ ١٥٨/٤، ٣٤٦/٥، ٣٨٣۔ ١٨/١٢۔ ② قواعد التفسیر: ١/ ١٦٢۔

ہے، کیونکہ اس سے بلا دلیل مطلق کی تقیید ہوتی ہے۔ ①

دوسرا قاعدہ

"اذا ثبت دلیل المقید وجب ان یحمل علیه المطلق عند توافر الشروط فی ذالك" ②

جب مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی شرط پوری ہو اور تقیید کی دلیل بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہوتا ہے۔

مثال نمبر 1: قرآن مجید میں تقسیم وراثت کا کئی مقامات پر مطلقاً ذکر ہے، ارشاد ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ (النساء:۱۱)

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اور اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی۔"

جب کہ بعض مقامات پر تقسیم وراثت کو تنفیذ وصیت اور ادائے قرض کے ساتھ مقید کیا گیا ہے:

﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ "(اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی)"﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ﴾ "(اور یہ تقسیم) وصیت کو پورا کرنے اور ادائیگی قرض کے بعد ہو جب کہ وہ (صیت میں) کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔"

① الاتقان، سیوطی، ص٥٤، (النوع التاسع والاربعون، فی مطلقه و مقیده)

② قواعد التفسیر، خالد عثمان السبت، ۲/۱۹٦، نیز ملاحظہ ہو: اضواء البیان، شنقیطی، ۱/۱۹٦، ۱۹۷، ۲٦٤، ۲۸۱_۲/ ۷، ۳۰، ۱۲۷، ۱۳۸، الاتقان، سیوطی، ص ٥٤١_ (النوع التاسیع الاربعون فی مطلقه ومقیده)

(یہ حصے بھی ادائے وصیت وقرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کیے جائیں گے)'' (النساء:۱۲)

اس صورت حال میں تمام مطلق مقامات کو بھی مقید کیا جائے گا اور تمام قسم کی تقسیم وراثت میں ادائے قرض اور تنفیذ وصیت کو مقدم رکھا جائے گا۔①

مثال نمبر 2: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اس نے تم پر مرا ہوا جانور، خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرۃ: ۱۷۳)

اس آیت مبارکہ میں محرمات کی اباحت کے لیے مطلق اضطرار کا تذکرہ ہے، چاہے وہ کسی وجہ سے بھی ہو، اضطرار کو مقید نہیں کیا گیا، اسی طرح سورۂ انعام میں بھی اضطرار کو مطلق رکھا گیا ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

''اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے تو تمہارا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۂ نحل میں بھی مطلق اضطرار کا تذکرہ ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النحل:۱۱۵)

''ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

ان تینوں مقامات پر سبب اضطرار کا تذکرہ نہیں، البتہ سورۂ مائدہ میں مذکور اضطرار کو انتہا درجہ کی بھوک کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

---

① الاتقان، ص: ۵۴۱۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

''ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔'' (المائدہ:۳)

امام طبری نے ''مخمصة'' سے استدلال کرتے ہوئے اس مقام پر اضطرار کو بھوک کی شدت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ایسی بھوک جس میں انتہا درجہ کی نقاہت ہو اور بھوک کی شدت سے پیٹ بھی سکڑ جائے۔ ①

جمہور مفسرین نے سورۂ مائدہ میں ''في مخمصة'' کی اضافی قید سے مطلق اضطرار کو مقید کیا ہے۔

علامہ شنقیطی کے نزدیک اضطرار میں ''اکراہ'' داخل نہیں، اگرچہ اکراہ کی صورت میں بھی جواز ہی کا حکم ہے، لیکن وہ بطریق قیاس یا دیگر دلائل سے ماخوذ ہے۔ ②

⑤ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں عموماتِ قرآنیہ کی تخصیص کرنا

عام کی تعریف

''العام هو ما يستغرق جميع ما يصلح له بحسب وضع واحد دفعة بلا حصر'' ③

''یعنی عام سے مراد وہ لفظ ہے جو لغوی وضع کے اعتبار سے اپنے تمام معانی کا بلا حصر وقید بیک وقت احاطہ کر رہا ہو۔''

قرآنِ مجید میں بعض دفعہ ایک عام حکم بیان ہوتا ہے اور کسی دوسرے مقام پر اس کی استثناءات یا تخصیصات مذکور ہوتی ہیں اس طرح کے مقامات پر قرائن و دلائل سے عمومات کی خود قرآن مجید کی روشنی میں تخصیص کرنا تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اہم پہلو ہے۔

---

① تفسیر طبری، ۹/ ۵۳۲ - ۵۳۳۔ ② اضواء البیان، ۱/ ۸۷۔

③ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ارشاد الفحول، شوکانی، ص۱۱۲، الاحکام ابن حزم، ۱/ ۳۹، قواعد التفسیر، ۲/ ۵۴۷، مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص۲۲۱۔

مثال نمبر 1

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾(البقرۃ:۲۲۸)

''اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنی تئیں روکے رہیں۔''

اس آیت میں مطلّقہ خواتین کی عدت کے بارے میں ایک عمومی قاعدہ بیان فرمایا کہ تین طہر یا تین حیض ہے۔عموم کے لحاظ سے ہر طلاق یافتہ عورت اس حکم میں شامل ہے، چاہے وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ،لیکن دوسرے مقامات پر قرآن مجید نے دو قسم کی عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہوئے مخصوص حکم دیا ہے:

① حاملہ عورت کی عدت وضع حمل قرار دی، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق:٤)

''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچّہ جننے) تک ہے۔''

② غیر مدخولہ عورتیں، یعنی جنہیں ازدواجی تعلقات سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو، ان کے لیے عدت کی پابندی سرے سے عائد ہی نہیں ہوتی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ ﴾(الأحزاب:٤٩)

''جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرکے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو ان پر کوئی حق عدت حاصل نہیں۔''

مثال نمبر 2

رؤیت باری تعالیٰ کے بارے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾

''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔''(الانعام:۱۰۳)

اس آیت مبارکہ میں دیدار الٰہی کی عمومی نفی کی گئی ہے، لیکن دیگر آیات میں اہل جنت کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾(القیامۃ: ۲۲-۲۳)

''اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔ (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔''

⑥ قرآنِ مجید کی روشنی میں قرآنی اصطلاحات ومفاہیم کا تعین

قرآن مجید نے ایک سے زائد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ حقائق و معارف کا تذکرہ مختلف پیرایوں میں کرتا ہے۔ اس لیے تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک بہترین اور اساسی تصور یہ ہے کہ ایک موضوع کے بارے میں تمام آیات کا استقصاء کیا جائے، پھر انہیں باہم دیگر ملا کر ان میں غور وفکر کے ذریعے سے مفاہیم کا تعین کیا جائے۔

مثال نمبر 1

سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کا ذکر ہوا ہے جس کا ابتدائی معنی ''سیدھا راستہ'' ہے۔ اب اگر صراطِ مستقیم کے ذکر پر مشتمل تمام آیات کو اکٹھا کیا جائے تو اس ''راہِ راست، صراطِ مستقیم'' کی ایک ایک حقیقت کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے۔

① قرآن مجید خود واضح کرتا ہے کہ صراطِ مستقیم، عبادت الٰہی کا راستہ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾(آل عمران: ۵۱)

''کچھ شک نہیں کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔''

② قرآن مجید یہ تعین کرتا ہے کہ صراط مستقیم شیطان کی عبادت سے اجتناب والا راستہ ہے۔

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾(یس: ۶۰-۶۱)

''اے آدم کی اولاد ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔''

③ قرآن صراحت کرتا ہے کہ صراط مستقیم ملت ابراہیمی والا راستہ ہے، یہ اس ابراہیم کا راستہ ہے جو مشرکین میں سے نہیں تھا۔

﴿قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾(الانعام:١٦١)

''کہہ دو کہ مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے (یعنی دین صحیح) مذہب ابراہیم کا جو ایک (خدا) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

④ قرآن مجید واشگاف الفاظ میں بتلاتا ہے کہ صراط مستقیم کی طرف چلانے والی چیز کتاب الٰہی ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾(بنی اسرائیل:٩)

''یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

مثال نمبر 2

حقیقت ''ختم علی القوب''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾(البقرة:٧)

''اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔''

اس آیت کے فہم میں کئی طرح کے سوالات جنم لیتے ہیں، مہر لگانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مہر فطری طور پر لگی ہوتی ہے؟ اگر فطری طور پر لگی ہوتی ہے تو اس میں ان کا کیا قصور؟ اگر یہ فطری نہیں تو کب اور کیوں لگتی ہے؟ قرآن مجید اپنی عربی مبین میں ان تمام

سوالات کے واضح اور دوٹوک جوابات فراہم کرتا ہے۔ جن میں غور وفکر اور تدبر سے مہر لگنے کا مفہوم کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

① قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو فطرت سلیمہ دے کر دنیا میں بھیجتا ہے۔

﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾(الروم:۳۰)

''خدا کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو)۔''

② قرآن مجید بتلاتا ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ حق کو سننے، سمجھنے، دیکھنے اور قبول کرنے کے لیے مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾(الکهف:۲۹)

''تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔''

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾(الدھر:۲۔۳)

''ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ (اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا۔ (اب) وہ خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔''

③ قرآن مجید یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ بہت سے جن وانس، دل، کان اور آنکھیں ملنے کے باوجود، حق کو سمجھنے، سننے اور دیکھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے:

﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾(الاعراف:۱۷۹)

''اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل ہیں، لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ بالکل جانوروں کی طرح ہیں

بلکہ ان سے بھی (زیادہ) گئے گزرے ہیں۔"

④ قرآن صراحتہً کہتا ہے کہ جب لوگ اپنے بغض وعناد اور اتباع ہوٰی کی وجہ سے مسلسل کفر کی روش اختیار کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، تو ان کے اس ناروا رویے کی وجہ سے آخر کار ان کے دلوں اور کانوں پر مہریں لگ جاتی ہیں، آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، لہٰذا وہ بہرے، گونگے اور اندھے بنا دیے جاتے ہیں، دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے قبولِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کی تمام آیاتِ مبارکہ پر غور کرنے سے یہ مفہوم کس قدر واضح اور متعین ہو جاتا ہے۔

مثلاً: ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (النساء:١٥٥)

"بلکہ ان کے کفر کے سبب خدا نے ان پر مہر کر دی ہے"۔

﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففين:١٤)

"دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾

"تو جب ان لوگوں نے کج روی کی خدا نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔ اور خدا نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثية: ٢٣)

"بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب خدا کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے۔ بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے؟"

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْعِلْمَ مَا ذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾(محمد:١٦)

''اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے یہاں تک کہ (سب کچھ سنتے ہیں، لیکن) جب تمہارے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ (بھلا) انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾(محمد:٢٣-٢٤)

''یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔''

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾

''یہ اس لیے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔''(المنافقون: ٣)

⑦ قرآن مجید اپنے واقعات کی تفصیلات پیش کرتا ہے

قرآن مجید میں انبیائے سابقین، عباد صالحین کا بھی تذکرہ ہے اور بعض طواغیت و کفار اور فجار و فساق کا بھی، امم ماضیہ کی عبرت انگیز داستانیں بھی ہیں اور اقوام صالحہ پر انعامات الٰہیہ کی تفصیلات بھی۔ ان میں سے کئی واقعات کو قرآن مجید نے مختلف اہداف کے پیش نظر مکرر بیان فرمایا ہے۔ اس تکرار میں کہیں ایجاز ہے اور کہیں اطناب، بعض مقامات پر اختصار و اجمال ہے اور دیگر مقامات پر بیان و تفصیل۔

مجمل واقعات کی مفصل مقامات کی روشنی میں تفسیر و توضیح پیش کرنا بھی تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک اسلوب ہے۔

⑧ قرآن مجید اپنی آیات کا حوالہ دیتا ہے

بعض مقامات پر قرآن مجید اپنے حوالہ جات پیش کرتا ہے۔

① بعض مقامات پر قرآن مجید اپنا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ یہ حکم پہلے دیا جا چکا ہے۔

مثال نمبر 1: ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ﴾(النساء: ١٤٠)

''اور خدا نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں۔''

اس میں درج ذیل سابق النزول آیت کا حوالہ ہے:

﴿وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾(الانعام:٦٨)

''اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔''

مثال نمبر 2: سیدنا یعقوب علیہ السلام کا قول اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(یوسف:٩٦)

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

یہ سابق الذکر آیت مبارکہ میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''انہوں نے کہا کہ میں اپنے غم واندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''(یوسف:٨٦)

② بعض مقامات پر قرآن مجید اپنا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ اس حکم کی وضاحت تمہیں دی جائے گی۔

مثال نمبر 1: سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾(المائدہ:۱)

''تمہارے لیے چارپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیے گئے ہیں بجز ان کے نام پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے۔''

ایک آیت کے بعد اس حوالے کی وضاحت کر دی اور إلا ما یتلی کو کھول دیا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ ...﴾(المائدہ:۳)

''تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سور کا گوشت......''

مثال نمبر 2: سورۂ نساء میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾(النساء:۱۵)

''مسلمانو تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو۔ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا خدا ان کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا) کرے۔''

جس راہ کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا وہ سورۂ نور میں بیان کردہ نظامِ حدود ہے:

﴿فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(النور: ۲)

''(جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''

⑨ قرآن مجید اپنے اختصارات و ایجازات کی تشریحات کرتا ہے

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایک چیز مختصراً ذکر کی جاتی ہے اور دوسرے مقام پر اس چیز کو قدرے تفصیل سے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ یہ اختصار بعض دفعہ مفاعیل و متعلقات کے حذف کی صورت میں ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر محذوفات کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ بعض

دفعہ ایک مقام پر اسباب وعلل کی وضاحت نہیں ہوتی، دوسرے مقام پر اس کی تفصیلات مذکور ہوتی ہیں۔ اس نوع کی تمام آیات میں موجود ایجاز و اختصار کو دیگر آیات قرآنیہ کی روشنی میں واضح اور منکشف کرنا تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک اہم صورت ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ تفصیل اور مثالیں ذکر کی جارہی ہیں۔

(الف) محذوفات کا تعین

ایجاز کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن مجید اسلوب میں موجود قرائن و آثار کے پیش نظر کلام کے بعض حصوں کو ساقط کر دیتا ہے، اسے ماہرین علوم القرآن ''اسلوب الحذف'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ علوم القرآن میں اس پر بڑی دقیق اور دلچسپ تحقیقات موجود ہیں۔ جس میں خدّامِ قرآن نے حذف کا معنی ومفہوم، اس کے اسباب وعلل، شروط اور فوائد ومقاصد پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔[1]

تفسیر القرآن بالقرآن کے ضمن میں صرف ان محذوفات کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں، جن کے الفاظ وکلمات، مفاعیل ومتعلقات وغیرہ خود قرآن مجید میں نے دوسرے مقامات پر کھول دیے ہیں۔

مثال نمبر 1: محذوف معنوں کا تعین

فرعون کی غرقابی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ (النازعات:۲٦) ''جو شخص (خدا سے) ڈر رکھتا ہے اس کے لیے اس (قصے) میں عبرت ہے۔'' اس میں ''يَخْشٰى'' کا مفعول محذوف ہے، سورۂ ہود میں فرعون کے قصے میں یہ مفعول ذکر کر دیا گیا ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ (ھود:۱۰۳)

---

[1] دیکھیے، البرھان، للزرکشی، ص۵٤۳ـ٦۰٦، الاتقان، للسیوطی، ٦۰۰ ـ٦۰۷، الفوز الکبیر، ٥٦ـ٦۰۔

''ان (قصوں) میں اس شخص کے لیے نشانی ہے جو عذاب آخرت ڈراتا عبرت ہے۔''

سورۂ ذاریات میں بھی مفعول کا تعین موجود ہے:

﴿وَ تَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾(الذاریات:۳۷)

''اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لیے وہاں نشانی چھوڑ دی۔''

مثال نمبر 2: محذوف مفعول کا تعین

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرۃ:۵۱) ''پھر تم نے بچھڑے کو بنا لیا۔'' ......کیا بنا لیا؟ یہ مذکور نہیں، یعنی مفعول محذوف ہے۔ صرف ایک مقام پر اس کی طرف بنی اسرائیل ہی کے زبانی اشارہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ﴾(طٰہٰ:۸۷-۸۸)

''پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔ تو اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے۔ مگر (موسیٰ علیہ السلام) وہ بھول گئے ہیں۔''

مثال نمبر 3: محذوف متعلقات کا تعین

سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

''تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں اور مومنوں کو ابھاریے، قریب ہے کہ خدا کافروں کی لڑائی کو بند کر دے۔'' (النساء:۸٤)

''مومنین کو ابھاریے!'' کس چیز پر ابھاریے؟ یہاں متعلق محذوف ہے۔ سورۂ انفال

میں اس کا تعین کر دیا گیا ہے: ﴿حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾(الأنفال:٦٥)
''مؤمنین کو قتال پر ابھاریے۔''

(ب) اسباب و وجوہات کی وضاحت

قرآن مجید کئی مقامات پر اسباب کی وضاحت کیے بغیر ایک چیز کا تذکرہ کرتا ہے اور پھر دیگر مقامات پر اس کے اسباب وعلل کی وضاحت پیش کرتا ہے:①

مثال نمبر 1: بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے ان کی قساوت قلبی کا تذکرہ کیا ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت۔'' (البقرة:٧٤)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾

''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔'' (المائدة:١٣)

نیز فرمایا:

﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾(الحديد:١٦)

''پھر ان پر زمان طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔''

مثال نمبر 2: سورۂ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾(آل عمران:١٠٦)

''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ، تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے خدا فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟''

① دیکھیے، اضواء البیان، شنقیطی، ۱/ ۱۔

چہروں کی سیاہی کا تذکرہ فرمایا، سیاہی کے سبب کی طرف اشارہ بھی فرمایا، سورۂ زمر میں زیادہ وضاحت کے ساتھ چہروں کی اس سیاہی کا سبب بیان فرمایا:

﴿وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾(الزمر، ۳۹-۶۰)

''اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہے؟''

(ج) فلسفہ و حکمت کی وضاحت

قرآن مجید احکام و مسائل کا تعین کرتا ہے، فرائض و واجبات کے احکام و مسائل بیان کرتا ہے، نوافل و مستحبات کی ترغیب دیتا ہے اور آیات کونیہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ بعض مقامات پر ان کا تذکرہ مختصر ہوتا ہے اور بعض دیگر مقامات پر ان احکام و مسائل، فرائض و واجبات، آفاقی و نفسی آیات کی خوبصورت توجیہات اور ان میں مضمر حِکَم و مصالح کی وضاحت ہوتی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک گراں قدر صورت یہ ہے کہ ان تمام آیات کو ملا کر قدرت الٰہیہ اور شریعت سماویہ میں پوشیدہ فلسفہ و حکمت کی تشریح پیش کی جائے۔

مثال نمبر 1: قرآن مجید کئی مقامات پر اپنے انزال و تنزیل کا مختصر تذکرہ کرتا ہے اور کئی دیگر مقامات پر اپنے نزول کی کیفیت، مقاصد، نزول، عربی زبان میں نزول کی حکمت اور تدریجاً نزول کے مصالح بیان کرتا ہے۔ مثلاً:

تدریجی نزول کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾(الفرقان: ۳۲-۳۳)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اُتارا گیا۔ اس طرح (آہستہ آہستہ) اس لیے اُتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے ہیں اور یہ لوگ تمہارے پاس جو

(اعتراض کی) بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اس کا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں۔"

مثال نمبر 2: قرآن مجید میں بعض مقامات پر بعثتِ انبیا کا اجمالی تذکرہ ہے اور دیگر کئی مقامات پر بعثتِ انبیاء کی حکمتیں واضح کی گئی ہیں۔

عمومی طور پر انبیاء کی بعثت اور مقاصد کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾(البقرة:۲۱۳)

"(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کردے اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امرِ حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔"

زکوٰۃ وصدقات، صیام رمضان، حج بیت اللہ کے بارے میں قرآن مجید کا یہی انداز بیان ہے۔

(د) آفاقی ونفسی آیات

آفاق ونفس میں پھیلی ہوئی آیاتِ الٰہیہ کے بارے میں قرآن مجید کا یہی اسلوب

ہے۔ کہیں بطورِ اجمال ان کا تذکرہ ہے اور کہیں ان کے اہداف و مقاصد اور حکم و مصالح پر مختلف مقامات پر مختلف اسالیب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارض و سماء، بحر و بر، اختلافِ لیل و نہار، تسخیرِ ریاح، انزالِ ماء، اشجار و نباتات اور تخلیقِ حیوان و انسان کے بارے تمام آیات اس کی خوبصورت مثالیں ہیں:

قرآن مجید میں کہیں ستاروں کا بطورِ نعمتِ الٰہیہ ایک عمومی تذکرہ ہے:

﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ﴾(الاعراف:٥٤)

''سورج، چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

﴿وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ﴾(النحل:١٢)

''اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

ستاروں کی حکمت بیان کرتے ہوئے سورۃ انعام میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾

''اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے رستے معلوم کرو۔''(الانعام:٩٧)

سورۂ ملک میں ہے:

﴿وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ﴾

''اور ہم نے دنیا کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا۔''(الملك: ٥)

سورۂ صافات میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ﹰالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ﴾

''بے شک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔''(الصافات: ٦ - ٧)

فصل 4:

تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول وقواعد

منہج تفسیر بالماثور میں قرآن مجید کے بعد حدیثِ نبوی تفسیرِ قرآن کا سب سے بڑا مصدر ہے۔ اس فصل میں جائزہ پیش کیا جائے گا کہ حدیثِ رسول کیونکر شارحِ قرآن ہے؟ نیز تفسیرِ قرآن میں حدیث کی کیا انواع و اقسام ہیں؟

عمومات قرآنی کی تخصیص، اطلاقات کی تقیید، الفاظ و کلمات کی تشریح اور احکام و مسائل کی تفصیل پر کتب حدیث سے مثالیں بھی پیش کی جائیں گی۔

باعتبار مضمون قرآن وحدیث کا باہمی تعلق

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں باعتبار مضامین و مفاہیم باہمی تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس بارے میں ہمارے اسلاف نے خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ اسلاف کے نتائج تحقیق کا خلاصہ امام شافعی نے اپنی کتاب 'الرسالۃ' میں تفصیل کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور اس کی مثالیں بھی درج کی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لم أعلم من أهل العلم مخالفا فی أن سنن النبی ﷺ من ثلاثة وجوه" ①

''نبی کریم ﷺ کی سنن تین اقسام پر مشتمل ہیں، اس بارے میں مجھے کسی صاحب علم کا اختلاف معلوم نہیں۔''

امام شافعی کے درج بالا اقتباس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک قرآن وحدیث کے مضامین باہمی تعلق کے لحاظ سے تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

① الرسالۃ، ص ۱۲۱، الفقرۃ:۲۹۔

امام شافعی جیسے صاحب بصیرت اور تبحر فی العلم کا یہ کہنا کہ ''اس بارے میں مجھے کسی صاحبِ علم کا اختلاف معلوم نہیں۔'' اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس پر متقدمین کا اجماع ہے۔ متقدمین کے نزدیک تین اقسام درج ذیل ہیں:

① نصوصِ قرآن پر مشتمل احادیث: یعنی وہ احادیث جن میں بعینہ وہی مضمون ہے جو نص قرآن میں موجود ہے۔

② قرآنی آیات کی شارح احادیث: یعنی وہ احادیث جن میں قرآن کے اجمالات کی تشریحات یا قرآنی آیات پر عمل کی کیفیات واضح کی گئی ہیں۔

③ مستقل اضافی احادیث: یعنی ایسی احادیث جن کے بارے میں کتاب اللہ خاموش ہے۔ اور قرآن مجید کی کسی نص میں وہ مضمون مذکور نہیں ہے۔

پہلی دو قسموں کے بارے سب متقدمین متفق ہیں کہ وہ احادیث کتاب اللہ کی مؤید و شارح احادیث ہیں، تیسری قسم کے بارے میں بھی اس حد تک متقدمین متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔

البتہ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایسی احادیث کا مصدر تلقی کیا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے وہ ارشادات عالیہ کہاں سے حاصل کیے ہیں؟ خود ذات نبوی ﷺ کے لیے مصدر ومرجع کیا چیز تھی؟

اس بارے میں امام شافعی نے علماء کے چار اقوال ذکر کیے ہیں: ①

① بعض کے نزدیک ایسی تمام احادیث جو زائد از قرآن مضامین پر مشتمل ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے تشریعی اختیارات کا مظہر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے اور آپ کو حق دیا ہے کہ آپ کتاب اللہ میں مخصوص احکام کے علاوہ بھی شرعی تفصیلات وضع کر سکتے ہیں۔

② بعض علماء کے نزدیک ایسی احادیث نبی کریم ﷺ کے تدبر فی علوم القرآن کا حاصل

① ارسالة ص۱۲۲، الفقرۃ۔۳۰۵-۳۰۰۔

ہیں اور ان کی کوئی نہ کوئی بنیاد کتاب اللہ میں ضرور موجود ہے، جس تک ہم اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔

③ کچھ علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسی احادیث کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارسال کردہ پیغام یعنی وحی خفی ہے۔

④ دیگر علماء کے نزدیک ایسی احادیث کا ماخذ وہ الہامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر وارد کیے جاتے تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی قرآن و حدیث کے مضامین میں باہمی تعلق کے لحاظ سے حدیث کی درج بالا تین اقسام ہی بیان کی ہیں۔ ①

ان تینوں قسم کی احادیث کی کچھ تفصیل اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

پہلی قسم: قرآنی آیات کی مترادف احادیث

ایسی احادیث جو قرآنِ مجید کی نصوص و عبارات، الفاظ و کلمات اور ان کی مخصوص ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ قدرے مختلف ہوں، لیکن معنی و مفہوم کے لحاظ سے ان میں بالکل یکسانیت ہوتی ہے۔ ایمانیات اور اخلاقیات سے متعلق بہت سی روایات اس ذیل میں آتی ہیں۔

مثال نمبر 1

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ (الفرقان:٦٨)

''اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔''

① إعلام الموقعين: ١/ ٤١۔

بالکل یہی مضمون کئی احادیث میں وارد ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مختلف مقامات پر قرآن مجید کے اس مضمون کو صحابہ کے سامنے مختلف اسالیب میں بیان فرمایا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے خالق کا شریک ٹھہرائے۔'' سائل نے کہا: اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس بنیاد پر قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' سائل نے پوچھا: اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: اس کے مصداق اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ یہ آیت ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ...﴾ ''اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔''[1]

سیدنا سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

((ألا انما هی أربع)) فما أنا بأشح علیهن منذ سمعتهن من رسول اللّٰه ﷺ: ((لا تشرکوا باللّٰه شیئًا، ولا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰه الا بالحق، ولا تزنوا، ولا تسرقوا))[2]

''سنو! یہ صرف چار باتیں ہیں:'' صحابی کہتے ہیں: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چار باتیں سنی ہیں، مجھے ان سے زیادہ کسی کی فکر نہیں۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الحدود، المحاربین، من أهل الکفر والردّة، باب اثم الزناة، حدیث (٦٨١١)، ص١١٧٣، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الشرك أقبح الذنوب وبیان أعظمها بعده، حدیث (٨٦)، تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل، ألبانی، (٢٣٣٧)۔ [2] سلسلة الاحادیث الصحیحه، البانی، حدیث (١٧٥٩)، اس مضمون کی دیگر احادیث کے لیے ملاحظہ ہو: سنن نسائی، کتاب المحاربة، باب تحریم الدم، باب ذکر الکبائر اور باب ذکر اعظم الذنب۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل نہ کرو، زنا نہ کرو، چوری نہ کرو۔"

ایک اور موقع پر آپ نے ایک صحابی سے یوں فرمایا:

«ان اللّٰه ينهاك أن تعبد المخلوق وتدع الخالق، وينهاك أن تقتل ولدك،وتغذو كلبك، وينهاك أن تزني بحليلة جارك» ①

"(اے میرے صحابی) بے شک اللہ تعالیٰ تجھے اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تو خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرے، اس بات سے بھی منع فرماتا ہے کہ تو اپنے کتے کو کھلاتا پھرے، لیکن اپنی اولاد کو قتل کر دے اور تجھے اس سے بھی منع کرتا ہے کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔"

مذکورہ تینوں احادیث میں غور وفکر کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بعض دفعہ قرآن مجید کے بیان کردہ مضمون کو انتہائی خوبصورت انداز میں حسب موقع اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

مثال نمبر 2

سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ﴾

"اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے معاف کردے۔" (النسآء:٤٨)

بعینہٖ یہی مضمون نبی کریم ﷺ نے واضح کرتے ہوئے فرمایا:

«ما من نفس تموت، لا تشرك باللّٰه شيئاً الا حلت لها المغفرة ان شآء اللّٰه عذبها وان شآء غفرلها» ②

---

① تفسیر ابن ابی حاتم، بحوالہ تفسیر ابن کثیر، ٣/ ٤٤٩۔

② تفسرابن ابی حاتم ، بحوالہ تفسیر ابن کثیر ١/ ١٠١۔

''جب کوئی بھی انسان شرک کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش جائز ہو جاتی ہے۔ (باقی گناہوں کے بارے) اللہ تعالیٰ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمادے۔'' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مثال نمبر 3

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسا:٨٠)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

اور بالکل یہی مضمون رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے دہراتے ہوئے فرمایا:

«من أطاعنی فقد أطاع اللّٰه» [1]

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

مثال نمبر 4

قرآن مجید متعدد مقامات پر توبہ و استغفار کی ترغیب دی گئی ہے، بعینہ یہی مضمون متفرق احادیث مبارکہ میں ہے: مثلاً:

«يَاأَيُّهَا النَّاسُ توبوا الى اللّٰه فَإِنِّيْ أَتُوْبُ فِي الْيُومِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ» [2]

دوسری قسم: شارحِ قرآن احادیث

ایسی احادیث جو قرآن مجید کے کسی ابہام کا تعین کرتی ہیں، اجمال کی تشریح کرتی ہیں، اطلاق کی تقیید کرتی ہیں، ایجاز کی تفصیل پیش کرتی ہیں یا قرآن میں مذکورہ احکام و مسائل کی عملی تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ ایسی تمام احادیث ﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسير، باب: يقاتل من وراء الامام و يتقى به، حدیث (٢٩٥٧)صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء، حدیث (١٨٣٥)۔

[2] صحیح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار، حديث ٦٨٥٩۔

﴿لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾(النحل:٤٤) کے تحت قرآن مجید کی شارح احادیث ہیں، نماز سے متعلق وارد احادیث، نمازوں کی تعداد، رکعات، کیفیات اور ترتیبات یہ سب ''أقیمو الصلاۃ'' کی نبوی تشریحات ہیں۔

اسی طرح زکاۃ، صیام، حج بیت اللہ، نکاح و طلاق، ظہار و لعان، بیوع و معاملات، قصاص و دیات اور دیگر احادیث احکام، آیات الأحکام کی سب سے مفصّل، مستند اور معتبر تشریح ہیں۔①

تیسری قسم: قرآن مجید سے زائد احکام و مضامین پر مشتمل احادیث

بہت ساری احادیث مستقل بالذات ہیں، بظاہر وہ کسی آیت قرآنی کی شرح وتفسیر یا تائید وتقویت میں وارد نہیں ہوئیں۔ ان احادیث کا مأخذ و مصدر کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے چار اقوال ذکر کیے جا چکے ہیں۔

کئی اہل علم ایسی احادیث کے بارے میں بھی یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسی احادیث کے اصول وضوابط بنیادی طور پر قرآن مجید سے مأخوذ ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ بعض اہل علم کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ومنهم من قال لم ليس سنة قط الا ولها أصل فى الكتاب''②

یعنی نبی کریم ﷺ نے جو بھی سنت جاری فرمائی ہے اس کی اصل کتاب اللہ میں موجود ہے۔

قرآن مجید نے حرم مکی کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ((إِنَّها حَرَمٌ آمِن)) ③''بلا شبہ یہ پرامن حرم ہے۔''

---

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الموافقات فی أصول الشریعة، للشاطبی، الدلیل الثانی، السُّنَّة۔ ② الرسالة، ص: ١٢٢۔ ③ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینه، حدیث ٣٣٤١۔

قرآن مجید میں رضاعی رشتوں میں سے صرف رضاعی ماؤں اور بہنوں کی حرمت مذکور ہے:

﴿وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء: ۲۳)

''اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں۔''

لیکن نبی کریم ﷺ نے تمام محرم خونی رشتوں کی طرح تمام رضاعی محرم رشتے بھی حرام قرار دیئے آپ نے فرمایا: «إنَّ اللّٰه حرَّم من الرّضاعِ ماحرّم من النَّسبِ» ①

''جو خونی رشتے حرام ہیں، اللہ تعالیٰ نے وہ رضاعی رشتے بھی حرام قرار دیئے ہیں۔''

احکام مسائل کے علاوہ مقصد و واقعات میں بھی اس کی متعدد مثالیں ہیں، احادیث میں کچھ ایسے واقعات مذکور ہیں، جو قرآن مجید میں مذکورہ واقعات کی تشریح پیش کرتے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف میں مذکور سیدنا موسیٰ اور خضر کا واقعہ، صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے۔ لیکن احادیث مبارکہ میں متعدد ایسے واقعات کا بھی نبی کریم ﷺ نے تذکرہ فرمایا ہے، جن کی کوئی اصل قرآن مجید سے نہیں ملتی۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر، کتاب بدء الخلق اور کتاب احادیث الأنبیاء میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں، علی سبیل المثال'' واقعہ جریج العابد، سیدنا موسیٰ کی وفات کا واقعہ اور اس طرح کوڑھ کے مریض، گنجے اور نابینا آدمیوں کا واقعہ یہ اور اس طرح کی دیگر متعدد احادیث قصص مستقل اضافی احادیث ہیں۔ ②

علامہ ابن برجان نے اس موضوع پر ایک گراں قدر کتاب ''الارشاد'' کے نام سے تصنیف کی، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

''ما قال النبی ﷺ من شئی فھو فی القرآن وفیه أصله، قرب أو بعد، فھمه من فھمه، وعمه عنه من عمه۔'' ③

---

① جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جآء یحرم من الرضاع ما یحرم من (النّسب)، حدیث ۱۱۴۶، قال الترمذی: ھذا حدیث حسن صحیح۔ وله شواھد عدیدة من حدیث عائشة وابن عباس وام حبیبة فی صحیح البخاری، أنظر: صحیح البخاری، حدیث ۲۶۴۶، ۲۶۴۵، ۵۱۰۷۔ ② قرآن وحدیث کے باہمی تعلق پر مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو، الموافقات، للشاطبی، ۴ / ۳۰۵- ۳۴۱۔ امام شاطبی نے انتہائی مفید اور جامع تحقیق پیش کی ہے۔

③ الارشاد، ابن برجان، بحواله: البرهان، للزرکشی ج/۱ ، ص۲۰ ۳۔

''نبی کریم ﷺ نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ قرآن مجید میں موجود ہے اور قرآن ہی کے اندر کی اصل واساس پائی جاتی ہے۔قریب یا بعید، جس کا نصیب تھا اس نے سمجھ لیا ہ، اور جو اس سے بے بہرہ رہا ہے سو وہ بہرہ رہا ہے۔''

قرآن سے زائد احکام ومضامین پر مشتمل احادیث کا مصدرِ تلقی جو بھی ہو، بہر صورت واجب الاتباع ہیں، کیونکہ ہمیں مطلقاً اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔ ①

شارح قرآن احادیث کی انواع واقسام

گزشتہ صفحات میں واضح ہو چکا ہے کہ بعض احادیث قرآن مجید کی مترادف ہیں، بعض شارح اور بعض زائد از قرآن مضامین پر مشتمل ہیں۔تفسیر القرآن بالحدیث کے ضمن میں اب یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کس طرح پیش کرتی ؟

① قرآنی الفاظ وکلمات کی تشریح

بعض احادیث مبارکہ قرآن مجید کے الفاظ وکلمات کی تشریح پیش کرتی ہیں:

مثال نمبر 1

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾(البقرة:١٤٣)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔''

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ((الوسط: العدل)) ② ''امت وسط سے مراد امت عدل ہے۔''

---

① الرسالة، شافعی، ص١٣١۔ ② صحیح البخاری کتاب التفسیر، باب و كذالك جعلنا كم امة وسطا، حدیث:٤٤٤٤۔

مثال نمبر 2

قرآن مجید میں مصارفِ زکاۃ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک مصرف ''مساکین'' متعین فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ''مسکین'' کا معنی و مفہوم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«لیس المسکین الذی ترده التمرة والتمرتان، ولا اللقمة واللقمتان۔ انما المسکین الذی یتعفف، اقرء وا ان شئتم» ①

یعنی قولہ تعالیٰ: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ (البقرہ:۲: ۲۷۳)

مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو کھجوریں لے کر پلٹ جاتا ہے، نہ ہی وہ جو ایک یا دو نوالے حاصل کر کے لوٹ جاتا ہے۔ حقیقی مسکین تو وہی ہے جو ہاتھ پھیلانے سے بچتا ہے۔ چاہو تو پڑھو، یعنی فرمان باری تعالیٰ:

﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾

''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔''

مثال نمبر 3

قرآن مجید میں جنت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ﴾ (الواقعة:۲۸) درج ذیل حدیث سے لفظ ''**مخضود**'' کی وضاحت ہوتی ہے۔

سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور ان کے سوالات کے ذریعے سے فائدہ پہنچا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! جنت میں ایک تکلیف دہ درخت کا تذکرہ ہے! رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: ''کونسا درخت؟'' اس نے کہا:

---

① صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب "لا یسألون الناس الحافا"۔ حدیث (٤٥٣٩)، ص٧٧٢، صحیح مسلم کتاب الزکاة، باب المسکین الذی لا یجد غنی ولا یفطن له فیتصدق علیه، حدیث (١٠٣٩)، ص٤۔

بیری کا درخت، اس کے تو تکلیف دہ کانٹے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے وضاحت نہیں فرمائی؟'' ﴿فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ﴾

«خضد الله شوكه، فجعل مكان كل شوكة ثمرة، فانها لتنبت ثمرا تفتق الثمرة منها عن اثنين وسبعين لونا من طعام، ما فيها لون يشبه الآخر» ①

''اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے توڑے ہوئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل پیدا فرما دیا ہے۔ اس بیری پر ایسے پھل اگتے ہیں کہ اس کے ایک ایک پھل سے بہتر ذائقے نمودار ہوتے ہیں اور ہر ذائقہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔''

اس حدیث میں "مخضود" میں نہ صرف لغوی تشریح ہے، بلکہ غیبیات پر مشتمل ایسی تفسیر بھی ہے جو صرف حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

② عموماتِ قرآنیہ کی تخصیص

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''الرسالۃ'' میں اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ "باب ما نزل عاما دلت السنة خاصة على أنه يراد به الخاص" یعنی ان آیات کا بیان جو عام نازل ہوئی اور خصوصاً سنت نے بتایا ان سے مراد خاص ہے۔ اس کے تحت عموماتِ قرآنیہ کی حدیث کے ذریعے سے تخصیص کی کئی امثلہ پیش کی ہیں۔ ②

امام ابن حجر رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق جمہور عمومِ قرآن کی خبر آحاد کے ذریعے سے تخصیص کے قائل ہیں۔ ③

علامہ آمدی نے بھی ائمہ اربعہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔ ④

---

① تفسیر ابن کثیر، ٤/ ٣٧٧۔ تخریج کے لیے ملاحظہ ہو، صحيح الترغيب والترهيب، ألباني، حديث٣٧٤٢۔ ② الرسالة: ١/ ٦٤۔ ③ فتح الباري، ٥/ ٢٨١، ٩/ ١٦٢۔

④ الأحكام، ٢/ ٤١٣۔٤١٩، نیز ملاحظہ ہو: المستصفى، الغزالي، ٢/ ١١٤البحر المحيط، زركشي، ٣/ ٣٦٢۔ ٣٦٨ ارشاد الفحول، شوكاني، ٥١٩۔ ٥٢٢۔

مثال نمبر 1

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾(الانعام:۸۲)

''جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ ''ظلم'' ہے جو بطور نکرہ وارد ہوا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس عام لفظ ظلم کی تخصیص کرتے ہوئے واضح کیا کہ اس سے عام ظلم مراد نہیں، بلکہ ظلم کی وہ انتہائی شکل مراد ہے جسے شرک کہا جاتا ہے۔①

جسے قرآن مجید نے ''ظلم عظیم'' قرار دیا ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾(لقمان:۱۳)

مثال نمبر 2

تقسیم وراثت کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾(النسآء:۱۱)

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔''

یہ ایک عمومی حکم ہے، جس کی رو سے ہر وارث، ہر صورت میں وراثت کا حقدار ٹھہرتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث نے، قاتل، کافر اور غلام کو وراثت سے محروم قرار دے کر اس آیت کی تخصیص فرمائی ہے۔

مخصص احادیث درج ذیل ہیں:

---

① صحیح البخاری کتاب التفسیر، باب و لَمْ يَلْبِسُوْا وايمانهم بظُلْم، حدیث (٤٦٢٩)۔

قاتل کے بارے میں آپ نے فرمایا: ((لیس للقاتل من المیراث شئی)) ①
''قاتل کے لیے وارثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

کافر کے بارے آپ نے فرمایا: ((لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم)) ② ''مسلم کافر کا اور کافر شخص کسی مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا۔''

غلام کے بارے اجماع ہے کہ چونکہ اس کی اپنی ملکیت ہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ (النحل:٧٥) ''کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔''
لہٰذا اس کا وراثت میں حصہ نہیں ہے۔ ③

نیز رسول اللہ ﷺ کے فرمان نے انبیاء ﷩ کی وراثت کو بھی اس سے مستثنی قرار دیا ہے۔ ④

جیسا کہ حدیث میں ہے: ((لا نورث، ما ترکنا صدقة)) ''ہماری کوئی وراثت نہیں ہوتی جو کچھ ہم ترکہ میں چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' ⑤

مثال نمبر 3

اللہ تعالیٰ نے محرماتِ نکاح (یعنی جن خواتین سے نکاح کرنا حرام ہے) کا تذکرہ کرنے کے بعد ایک عمومی حلت بیان کرتے ہوئے کہا:

---

① سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب دیات الأعضاء، حدیث (٤٥٦٤)، سنن نسائی الکبری، کتاب باب حدیث (٦٣٦٧) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل، ألبانی، ٦/ ١١٨۔ امام ابن قدامہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (المغنی، ٧/ ١٦١)

② صحیح البخاری: ٦٧٦٤؛ مع الفتح، ١٢/ ٥٠، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ((لا یرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر السلم)) حدیث (١٦١٤)۔

③ المغنی، ابن قدامه، ١٣١،١٣٠/٧۔ حاشیه رد المحتار، ابن عابدین، ٦/ ٧٦٦۔

④ ملاحظہ ہو: الرسالة، شافعی، ص٩٨، اعلام الموقعین، ابن القیم، ٢/ ٣١٥ قواعد التفسیر، ١/ ١٤٣۔ ⑤ صحیح البخاری: ٣٠٩٢؛ مع فتح الباری، ١٢/ ١٦، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب قول النبی ﷺ: ((لا نورث ما ترکنا فهو صدقة)) حدیث(١٧٥٩، ١٧٦٠، ١٧٦١)، ص٧٧٩، ٧٨١۔

﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (النسآء:٢٤) ”تمہارے لیے مذکورہ عورتوں کے سوا باقی سب عورتیں حلال کی گئی ہیں۔“ تو اس آیت مبارکہ کی رو سے باقی تمام عورتیں بہر صورت حلال ہیں۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے بھانجی اور خالہ اسی طرح بھتیجی اور پھوپھی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے سے منع فرمایا اور اس طرح اس آیت کے عمومی حکم کی تخصیص فرمائی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”نهى النبي ﷺ أن تنكح المرأة على عمتها والمرأة وخالتها“[1] نبی کریم ﷺ نے بھتیجی کے ساتھ پھوپھی اور بھانجی کے ساتھ خالہ کو نکاح میں لانے سے منع فرمایا۔

مثال نمبر 4

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدة:٣) ”تم پر مردار کو حرام کیا گیا ہے۔“ بظاہر تو یہ مردار کے تمام اجزا پر حاوی ہے، لہٰذا اس عموم کی رو سے مردار کے کسی حصے سے استفادہ کی کوئی صورت جائز نہیں۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے مردار کے چمڑے کو نصاً اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔[2]

③ اطلاقات کی تقیید

قرآن مجید کئی مقامات پر ایک حکم مطلقاً بیان فرماتا ہے، اس کی شرائط کی تقیید رسول اللہ ﷺ پر چھوڑ دیتا ہے، قرآن مجید کے ایسے اطلاقات کی تقیید حدیث کی رو سے کی جائے گی۔

مثال نمبر 1

چوری کی شرعی حد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

---

① صحيح البخاري: ٥١١٠، مع الفتح، ٩/ ١٦٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، «باب تحرير الجمع بين المرأة و عمتها أو خالتها في النكاح» (١٤٠٨)۔

② ملاحظہ ہو: فتح الباري، لابن حجر، ٩/ ٦٥٨۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾[1]

''یعنی چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔''

اگر حدیثِ رسول سے اس آیت کی تقیید نہ کی جائے تو ہر قسم کی چھوٹی، بڑی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً ''السارق والسارقة'' کی یہ حد بیان کی ہے۔ لیکن جمہور امت کے نزدیک بخلاف اہل ظاہر قطع ید کی سزا مخصوص نصابِ سرقہ و نوعیتِ سرقہ کی صورت میں عائد ہوگی۔ اگرچہ نصاب سرقہ کی تعیین میں فقہی اختلافات موجود ہیں۔[2]

مثال نمبر 2

اللہ تعالیٰ نے تجارت کے بارے عمومی اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

''آپس کے اموال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضا مندی سے خرید وفروخت ہو۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

''اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔'' (البقرة:٢٧٥)

مذکورہ دونوں آیاتِ مبارکہ میں تجارت کو مطلقاً حلال کہا گیا ہے، اس آیت کے اطلاق کی رو سے ہر قسم کی تجارت جس میں باہمی رضا مندی ہو جائز ہے۔

---

[1] المائدة، ملاحظہ ہو: فتح الباری، لابن حجر ٩/ ٦٥٨۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری، ابن حجر، ١٢/ ٩٦، عون المعبود، شرح سنن ابی داؤد، عظیم آبادی، ٣/ ٨٤١، تحفة الأحوذی، شرح جامع ترمذی، مبارکپوری، ٢/ ٣٣٠، مصنف عبدالرزاق، ١/ ٢٢٣، ٢٣٥، المغنی، لابن قدامه، ٨/ ٢٤٢۔ تفسیر ابن کثیر، ٢/ ٧٩۔٨١۔

امام شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"دلت السنة على أن الله جل ثناؤه أراد باحلال البيع ما لم يحرم منه، دون ما حرم على لسان بنيه"①

حدیث بتاتی ہے کہ بیع وتجارت کی حلت سے مراد وہ صورتیں ہیں جو حرام نہیں کی گئیں۔ تجارت کی جو صورتیں نبی کریم ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیں وہ اس میں شامل نہیں ہیں۔

مثال نمبر 3

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾(النسآء:٢٣)

"(تم پر حرام ہیں) تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، لہٰذا عمومِ آیت کی رو سے رضاعت قلیل ہو یا کثیر، بہرصورت مُوجبِ حرمت ہوگی اور بعض ائمہ کی یہی رائے ہے، جب کہ جمہور علماء احادیث کی بنا پر اس بات کے قائل ہیں کہ رضاعت کی حرمت چند صورتوں کے ساتھ مقید ہے، اگرچہ اس کی تفصیل میں فقہی اختلافات پائے جاتے ہیں۔②

④ مبہمات کی تعیین

قرآن مجید میں بعض افراد اور اشیا کا عمومی ذکر ہوتا ہے، مطلب تو واضح ہوتا ہے، لیکن اس سے کون سا خاص فرد یا شے مراد ہے؟ اس میں ابہام پایا جاتا ہے، حدیث شریف اس ابہام کا ازالہ کر دیتی ہے۔

---

① الرسالة، ص، ١٨٩۔ ② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسير ابن كثير: ١/ ٦٤٤۔

مثال نمبر 1

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾(الرعد:١٣)

''گرجنے والا اس کی تحمید کرتا ہے اور سب فرشتے بھی، اس کے خوف سے۔''[1]

''الرعد'' بادل کی گرج کو بھی کہتے ہیں، مخصوص فرشتے کا بھی نام ہے۔[2]

بعض مفسرین نے درج ذیل حدیث سے اس ابہام کی توضیح کی ہے۔

یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: ''أخبرنا عن الرعد ما هو؟''

ہمیں بتائیں ''رعد'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ملك من الملائكة موكل بالسحاب معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شآء اللّٰه))

''بادلوں پر مقرر ایک فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں آگ کے کوڑے ہیں، جن کے ذریعے سے وہ بادلوں کو جہاں اللہ تعالیٰ چاہے ہانک کر لے جاتا ہے۔''

یہودیوں نے مزید پوچھا: یہ آواز جو ہمیں سنائی دیتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: ''یہ بادل کو چلانے کی آواز ہے، جب فرشتہ اسے چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مأمور بہ جگہ تک پہنچ جائے......الخ۔''[3]

مثال نمبر 2

بنی اسرائیل کے منفی رویے اور احکام الٰہی سے استہزا کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] اس آیت پر مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر وتفسیر بہت عمدہ، جامع ومانع نیز ضعیف العقیدہ، جدید سائنس سے مرعوب ذہن کے لیے لائق مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو: تفسیر عثمانی ص٣٣٢۔ فائدہ نمبر١۔ [2] مفردات القراٰن راغب اصفہانی (ترجمہ مولانا عبدہ الفلاح): ١/ ٣٥٨) [3] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب: و من سورة الرعد، حدیث، (٣١١٧)، ص ٧٠٤، قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح غریب، نیز ملاحظہ ہو: سلسلہ صحیحہ، البانی، حدیث (١٨٧٢)۔

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ (البقرۃ:۵۸ ـ ۵۹)

''اور جب ہم نے کہا: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جو کچھ یہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے ''حطہ'' کہو، ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو بدل کر کوئی اور ہی قول کہہ دیا جو اس کے خلاف تھا، جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی۔ ہم نے بھی ان ظالموں پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔''

وہ بات کیا تھی جو بنی اسرائیل نے کہی؟ اس میں ابہام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس ابہام کا ازالہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل نے کہا: ((حبة فی شعرة)) ''گندم بالی سمیت۔''[1]

⑤ قرآن مجید کے علوم خمسہ کی تفصیلات

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تقسیم کے مطابق قرآن مجید پانچ علوم پر منقسم ہے۔ قرآنی آیات میں غور کیا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ ان پانچوں علوم میں بہت سارے مقامات پر قرآن مجید نے اپنی جامعیت و اختصار کے پیش نظر اجمال سے کام لیا، نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ قرآن مجید کے مقاماتِ اجمال کو بسط و تشریح اور تفصیل کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔[2]

---

[1] جامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب: و من سورۃ البقرہ، حدیث (۲۹۵۶) قال الترمذی: حدیث حسن صحیح، صحیح الترمذی، البانی، حدیث (۲۳۵۶)۔ [2] اگر ان میں سے ہر علم پر الگ الگ مثالیں پیش کی جائیں تو موضوع انتہائی طوالت اختیار کر جائے گا۔ علوم خمسہ کے اجمالات کی جس طرز پر تفصیلات و تشریحات احادیث میں وارد ہوئی ان کی طرف انتہائی اختصار کے ساتھ اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان اشارات سے محض سرسری اندازہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حدیث کس طرح تفسیر قرآن ہے۔

① علم الأحکام

قرآن مجید کا پورا علم الأحکام، اس کی فقہی تفصیلات، عملی زندگی میں اطلاق کی کیفیت، ہیئت، ہر ہر حکم کی اہمیت، فرضیت، فضیلت یہ سب وہ تفصیلات ہیں جن کی راہنمائی حدیث اور صرف حدیث ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید کے اجمالی طور پر بیان کردہ فرائض و واجبات، مندوبات و مستحبات، محرمات و مکروہات اور مباحات کی مکمل تشریح ذخیرۂ حدیث میں محفوظ ہے۔ کتب ستہ اور دیگر تمام کتبِ حدیث کی کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب النکاح تک اور کتاب النکاح سے کتاب الأطعمہ والأشربۃ تک، اور کتاب الجہاد و السیر سے کتاب الحدود والدیات تک درحقیقت قرآن مجید کی آیات الأحکام کی تشریحات وتفصیلات ہیں۔ ان آیات الأحکام پر انسانی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے معلم قرآن و مزکی انسان نے اوامر پر ابھارنے کے لیے احادیثِ ترغیب بیان فرمائی ہیں اور نواہی سے بچانے کے لیے احادیثِ ترہیب سنائی ہیں۔

② علم المخاصمۃ

قرآن مجید کا دوسرا اہم علم مشرکین، منافقین اور یہود ونصاریٰ کے غلط عقائد ونظریات اور فاسد افعال و اعمال کی تردید ہے۔ وہ تمام احادیث جن میں شرک کی مذمت ہے، شرک کی انواع و اقسام کا ذکر ہے، منافقت کی تردید ہے اور اس کی علامات کی وضاحت ہے، بنی اسرائیل کی تاریخ پر تبصرہ ہے، ان کی ہلاکت کی وجوہات اور ان میں آنے والے فتنوں اور ان کی کج رویوں کی طرف اشارات ہیں۔ ایسی تمام احادیث، قرآن مجید کے اس علم کی تفسیر پیش کرتی ہیں۔

③ علم التذکیر بآلاء اللہ

قرآن مجید میں آسمان وزمین کی تخلیق، اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات پر جو آیات مشتمل ہیں، انہیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے علم التذکیر بآلاء اللہ کا نام دیا ہے۔ ان آیات میں کئی

مقامات پر اجمالات کی تشریح احادیث طیبہ سے ہوتی ہے۔ محدثین نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث میں کتاب بدء الخلق، کتاب الذکر، کتاب التوحید اور کتاب الأسماء و الصفات کے نام سے جو عناوین قائم کیے ہیں یا ان موضوعات پر مستقل اجزاو رسائل میں جو احادیث جمع کی ہیں، ایسی تمام احادیث قرآن مجید کے اس علم کی تفسیر ہیں۔ [1]

④ علم التذکیر بأیام اللہ

قرآن مجید نے اپنے ایک معتد بہ حصہ میں سابقہ اقوام کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالی ہے، ان کی اعتقادی و اخلاقی خرابیوں پر مؤاخذہ کیا ہے۔ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی تعریف و ستائش کرتے ہوئے ان کی خدمات کی تحسین فرمائی ہے اور ان کے حالات و واقعات کو بطورِ اسوہ ذکر فرمایا ہے۔ اولیاء الشیطان اور اولیاء الرحمن میں برپا معرکۂ حق و باطل پر جاندار تبصرہ کیا ہے۔ مطیعین پر انعامات و اکرامات کی بارش اور فاسقین و مجرمین پر نازل ہونے والے عذابات و آفات کی تفصیل پیش کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبات و بیانات میں، مسجد نبوی کے حلقہ ہائے تعلیم میں اور اس کے علاوہ مختلف مواقع پر اس موضوع پر لب کشائی فرمائی ہے۔ وہ احادیثِ مبارکہ جو قرآنِ مجید میں مذکورہ اس علم کے کسی پہلو کی وضاحت بالتفصیل پیش کریں، ''علم التذکیر بأیام اللہ'' کی تفسیر میں ان سے کام لیا جائے گا۔

⑤ علم التذکیر بالموت و ما بعدہ

قرآن مجید میں انسان کی موت و فناء کا تذکرہ بھی ہے اور موت کے وقت پیش آمدہ عذابات و آفات کا بھی، قبر و حشر، حساب و میزان، پل صراط اور جنت و جہنم کا بھی، کہیں تبشیر مقصود ہے، کہیں انذار، کسی مقام پر ترغیب کا اسلوب ہے اور کسی مقام پر ترہیب کا، ایک طرف قرآن مجید آخرت کی قدر و قیمت جتاتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی حقارت و دناءت واضح کرتا ہے۔

---

[1] اس علم کے تخلیق کائنات والے حصے میں صحیح مرفوع احادیث بہت کم اور اسرائیلی روایات زیادہ ملتی ہیں۔

ان تمام موضوعات میں کبھی قرآن مجید نے اجمال سے کام لیا ہے اور کبھی تفصیل سے۔

احادیثِ مبارکہ ان موضوعات میں قرآنی اجمالات کی ایسی خوبصورت تفصیلات پیش کرتی ہیں کہ انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾(النجم: ۳، ٤)

''اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔''

قرآن مجید موت کے وقت فرشتوں کی بشارت یا تہدید کا اجمالی تذکرہ کرتا ہے، جب کہ احادیث میں موت کے وقت مؤمن اور کافر کی کیفیات کا ایمان افروز تفصیلی تذکرہ ہے۔

قرآن مجید عذابِ قبر کی طرف اجمالی اشارہ پر اکتفا کرتا ہے اور برزخ کی زندگی میں شہداء پر انعاماتِ الٰہیہ کا سرسری ذکر کرتا ہے، جب کہ احادیث میں قبر و برزخ کی تفصیلات ہیں۔ اس طرح قرآن وحدیث میں اجمال وتفصیل کا یہ سلسلہ موت سے لے کر قبر وحشر، پھر جنت وجہنم اور دیدارِ الٰہی کے کمال و جمال تک پھیلا ہوا ہے۔

فصل 5:

تفسیر القرآن بأقوال الصحابہ والتابعین کے اصول وقواعد

منہج تفسیر بالماثور میں خود قرآنِ مجید کے بعد حدیث نبوی ﷺ تفسیر کا بنیادی مصدر ہے اور ان دونوں کے بعد اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کو تفسیر قرآن میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

اس عنوان کے تحت صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال کی مختلف انواع و اقسام اور ان کے تفصیلی احکام پیش کیے جا رہے ہیں۔

(الف) تفسیر صحابہ کی مختلف انواع اور ان کے احکام

صحابہ کرام بلا شبہ مدرسۂ نبویہ کے اولین فیض یافتگان ہیں۔ جس طرح کسی مستند تعلیمی ادارے کے فضلا کو عام قسم کی درس گاہوں کے فضلا پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور ماہر ترین معلم کے تلامذہ کو دوسروں پر برتری حاصل ہوتی ہے، اسی طرح مسجد نبوی کے حلقاتِ قرآنیہ میں، خود رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے والوں سے زیادہ مستند تفسیر آخر کس کی ہو سکتی ہے؟

لیکن صحابۂ کرام بھی فہم قرآن میں متفاوت مراتب کے حامل تھے، ان سے منقول آثار کی بھی مختلف اقسام ہیں اس اعتبار سے ہر قسم کا حکم دوسری سے مختلف ہے۔ یہ اقسام اجمالی طور پر درج ذیل ہیں:

① مرفوع حکمی

وہ صحابی جو اسرائیلیات سے اخذ نہ کرتا ہو، اگر ایسی تفسیر پیش کرے جو عقل و اجتہاد سے معلوم نہ کی جاسکتی ہو، بلکہ محض نقل پر مبنی ہو، تو صحابی کا ایسا اثر ''مرفوع حکمی'' کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے قول کو حکماً وہی مرتبہ حاصل ہوگا جو مرفوع حدیث کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب وہ بات عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی تو اسے صحابی کی رائے نہیں کہا جاسکتا۔ مزید برآں وہ صحابی اہلِ کتاب سے بھی روایت نہیں کرتا، وگرنہ سمجھا جاتا کہ اس نے اسرائیلی روایت پیش کی ہے۔ اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

ایک یہ کہ نعوذ باللہ صحابی نے خود ساختہ بات کہی ہو، صحابی کے حق میں یہ محال ہے اور دوسری یہ کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، یہ دوسرا احتمال ہی غالب ہے اور ماننا پڑے گا کہ یہ بات دراصل ارشادِ رسول ہے، جسے صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا حوالہ دیے بغیر نقل کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''والحق أن ضابط ما يفسره الصحابي رضي الله عنه ان كان مما لا مجال للاجتهاد فيه، ولا منقولا عن لسان العرب، فحكمه الرفع، والا فلا''[1]

فی الحقیقت، اصول یہ ہے کہ اگر صحابی ایسی تفسیر پیش کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی وہ لغتِ عرب سے منقول ہو تو اسے مرفوع روایت کا درجہ حاصل ہے، بصورت دیگر نہیں۔

درج ذیل حقائق کے بیان میں صحابہ کی تفسیر ''مرفوع حکمی'' ہوگی اور اسے مستند حدیث کا درجہ حاصل ہوگا۔

① مقادیرِ اشیا، بدء الخلق ② علاماتِ قیامت ③ احوالِ برزخ

---

[1] النكت على كتاب ابن الصلاح ص ۱۹۲۔

④ احوالِ قیامت، صفتِ جنت وجہنم

⑤ تاریخِ اممِ ماضیہ وقصص الانبیاء

⑥ احوالِ مستقبل، ملاحم وفتن

⑦ مخصوص عبادت پر مخصوص اجر وثواب

⑧ مخصوص گناہ پر مخصوص وعید وعذاب

⑨ دیگر امور غیب ⑩ اسباب نزول

طحاوی، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عبدالبر ایسے کبار ائمہ کا یہی موقف ہے۔①

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس طرح کی روایات کی یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ جس طرح صحابہ کرام کبھی باللفظ حدیثِ رسول اللہ ﷺ بیان کرتے ہیں اور کبھی بالمعنی، اسی طرح تفسیر قرآن بھی صحابہ بعض دفعہ باللفظ نقل فرماتے ہیں اور بسا اوقات بالمعنی۔②

مرفوع حکمی کی مثالیں

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ (النجم:۱۸) ''انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "رأى رفرفا أخضر قد سد الأفق" آپ نے سبز پر دیکھے جو افق کو ڈھانپے ہوئے تھے۔③

② سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ (النجم:۹) ''تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "رأى جبريل له ستمائة جناح"④ آپ نے جبریل کو چھ سو پروں میں دیکھا۔

---

① النکت، ابن حجر، ص۱۹۳۔ ② إعلام الموقعين، ۶/ ۳۲۔۳۳۔

③ صحيح البخاری، کتاب التفسير، باب لقد رأى من آيات ربه الكبرىٰ، حديث ۴۸۵۳، نیز دیکھیے حدیث: ۳۲۳۳۔ ④ صحيح البخاری کتاب التفسير، باب فكان قاب قوسين أو أدنى" حديث ۴۸۵۶، ۴۸۵۷۔ صحيح مسلم، کتاب الايمان ، باب فی ذكر سدرة المنتهىٰ، حديث ۱۷۴۔

③ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"أنزل اللّٰه القرآن الی السمآء الدنیا فی لیلة القدر، فکان اللّٰه اذا أراد یوحی منه شیئاً أوحاه، أو أن یحدث منه فی الأرض شیئاً أحدثه"①

اللہ تعالیٰ نے شب قدر میں مکمل قرآن مجید آسمانِ دنیا پر نازل فرما دیا، پھر اس سے جب کوئی چیز وحی فرمانے کا ارادہ فرماتے تو وحی فرما دیتے ہیں یا اس میں سے زمین پر کچھ اتارنا چاہتے تو اتار دیتے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"أنزل القرآن جملة واحدة الی السمآء الدنیا فی لیلة القدر، ثم أنزل بعد ذالك بعشرین سنة"②

آسمان دنیا پر پورا قرآن مجید ایک ہی مرتبہ لیلۃ القدر میں نازل کر دیا گیا، پھر بیس سال تک (زمین پر) نازل کیا جاتا رہا۔

مرفوع حکمی کے بارے ایک اہم حقیقت

صحابہ کرام، تقویٰ و ورع کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، نبی کریم ﷺ کی طرف بات منسوب کرتے ہوئے انتہائی حزم و احتیاط کرتے تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی تفسیرات کا ایک معتد بہ حصہ درحقیقت نبی کریم ﷺ کے فرامین سے ماخوذ ہے، لیکن مرفوعاً روایت نہیں ہے۔ معمولی غور وفکر سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم جیسے وقت کے جاںنثاروں اور

---

① مستدرك حاكم، كتاب التفسير، باب أنزل القرآن جملة واحدة فی لیلة القدر الی السمآء الدنیا، قال الحاكم، هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه، حدیث (۲۹۳۲)، ۲/ ۵۹۴،المعجم الأوسط طبرانی،(۱۲۲۴۳)،المعجم الكبیر، طبرانی، (۱۲۳۸۱) مسند البزار:۲/ ۲۱۰، مجمع الزوائد هیثمی،۷/ ۱۴۰، ۴/ ۱۵۷۔

② مستدرك حاكم:۲/ ۵۹۴ قال الحاكم، "هذا حدیث صحیح الاسناد،لم یخرجاه۔

رفقا نے نبی کریم ﷺ سے دینِ اسلام اور تفسیرِ قرآن کے بارے میں کیا کیا نکات سنے ہوں گے؟

کیسے کیسے رموزِ قرآن ان گراں قدر ہستیوں نے خود صاحبِ قرآن سے سماعت کیے ہوں گے؟ پھر ان کے علاوہ سیدنا ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسے ممتاز قراء وفقہاء نے حامل شریعت سے کیا کچھ نہ سنا ہوگا؟ یہ سب کہاں ہے؟

اس بارے میں امام ابن القیم رحمہ اللہ کا درج ذیل اقتباس بہت قابل غور ہے، وہ لکھتے ہیں:

”أن الصحابى اذا قال قولا ، أوحكم بحكم أو أفتا بفتيا، فله مدارك ينفرد بها عنا۔ ومدارك نشاركه فيها، فأما ما يختص به فيجوز أن يكون سمعه من النبی ﷺ شفاها أو من صحابی آخر عن رسول اللّٰه ﷺ فان ما انفردوا به من العلم عنا أكثر من أن يحاط به ، فلم يرو كل منهم كل ما سمع، و أين ما سمعه الصديق والفاروق رضی اللہ عنہما وغيرهما من كبار الصحابة؟...... فإنهم كانوا يهابون الرواية عن رسول اللّٰه ﷺ و يعظمو نها ويقللونها خوف الزيادة والنقص، ويحدثون بالشى الذى سمعوه من النبی ﷺ مرارا ولا يصرحون بالسماع،ولا يقولون قال رسول اللّٰه ﷺ“[1]

صحابی جب کوئی قول ، فیصلہ یا فتوی صادر فرمائے، تو اس بارے میں صحابی کے کچھ مصادر و مآخذ ایسے ہیں جو صرف اسی کا خاصہ ہے اور کچھ مصادر و مآخذ ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں۔ صحابی کا ایک منفرد اور خصوصی چشمۂ علم ان کے متعلق یہ امکان ہے کہ اس نے وہ بات نبی کریم ﷺ سے براہِ راست یا

[1] اعلام الموقعين، ٤/ ١١٣۔

کسی دوسرے صحابی کے واسطے سے سنی ہو۔ کیونکہ صحابہ کا انفرادی علم احاطہ سے باہر ہے، ہر صحابی اپنی تمام مسموعات روایت نہیں کر سکا، صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب مسموعات کہاں ہیں؟...... درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی نسبت کرتے ہوئے ان پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، اسے بہت عظیم اور گراں امر گردانتے تھے۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں کمی بیشی نہ ہو جائے روایت عن رسول اللہ پر کم ہی اقدام کرتے تھے۔ ایک چیز انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ سنی ہوتی تو اسے بیان کرتے ہوئے بھی نہ سماع کی صراحت کرتے اور نہ ہی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے۔

امام ابن القیم کی درج بالا رائے کی تائید کئی اقوالِ صحابہ سے ملتی ہے، بعض تفسیری اقوال ایک صحابی سے موقوفاً مروی ہیں، جب کہ وہی اقوال و مفاہیم دیگر صحابہ سے مرفوعاً مروی ہیں۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں:

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کی سیڑھیوں پر گری ہوئی لاشیں دیکھیں تو فرمایا:

”كلاب النار، شر قتلى تحت أديم السماء، خير الناس من قتلوه“ ثم قرأ۔ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾

جہنم کے کتے ہیں، زیر آسمان بدترین مقتولین ہیں، ان کے قاتلین بہترین انسان ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: ”اس روز کئی چہرے سفید اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے۔“

ابو غالب راوی کہتے ہیں کہ میں سیدنا نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا:

”لو لم أسمعه الامرة أو مرتين أو ثلاثا، أو أربعا، حتى عد سبعا ما حدثتكموه۔“[1]

---

[1] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن آل عمران، وقال هذا حديث حسن، حديث (٣٠٠٠)، صحيح الترمذی، البانی، حديث (٢٣٩٨)۔

اگر میں نے صرف ایک، دو، تین یا چار دفعہ، انہوں نے سات تک شمار کیا، سنا ہوتا تو میں یہ تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے صراحۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سات یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ سنی، لیکن اسے بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں فرمائی، البتہ سائل کے پوچھنے پر وضاحت فرمادی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے: "ان لكل شئى سناما وان سنام القرآن سورة البقرة۔"[1]

ہر چیز کا ایک بڑا اور نمایاں حصہ ہوتا ہے، اور قرآن کا بڑا اور نمایاں حصہ سورۃ بقرہ ہے۔

یہی قول سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔[2]

عن ابن الديلمى قال: وقع فى نفسى شئى من هذا القدر، فخشيت أن يفسد على دينى و أمرى ، فأتيت أبى بن كعب فقلت: يا أبا المنذر! انه قد وقع فى نفسى شئى من هذا القدر، فخشيت على دينى و أمرى،فحدثنى من ذالك بشئى لعل اللّٰه أن ينفعنى به، فقال: "لو أن اللّٰه عذب أهل سماواته، وأهل أرضه لعذبهم، وهو غير ظالم لهم ، ولو رحمهم لكانت رحمته خيرا لهم من أعمالهم، ولو كان مثل جبل أحد ذهبا، أو مثل جبل أحد تنفقه فى سبيل اللّٰه ما قبل منك حتى تؤمن بالقدر، فتعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك وأن ما أخطأك لم يكن ليصيبك، وأنك إن مت على غير هذا دخلت النار"

---

[1] مسند دارمی، الصحیحة، البانی، ۲ /۱۳۵۔ [2] تفسیر ابن کثیر، ۱ /٦٧، صحیح الترغیب، والترهیب، البانی، حدیث (١٦٤٢)۔

ولا عليك أن تأتي أخي عبدالله بن مسعود فتسأله۔ فأتيت عبدالله فسألته فذكر مثل ما قال أبي، وقال لي: ولا عليك أن تأتي حذيفة، فأتيت حذيفة، فسألته، فقال مثل ما قال، وقال: ائت زيد بن ثابت، فاسأله، فأتيت زيد بن ثابت فسألته ، فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

«لو أن الله عذب اهل السماواته و أهل أرضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم، ولو رحمهم لكانت رحمته خيراً لهم من أعمالهم ، ولو كان لك مثل أحد ذهبا، أو مثل جبل أحد ذهبا تنفقه في سبيل الله ما قبله منك حتى تؤمن بالقدر كله، فتعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك و ما أخطأك لم يكن ليصيبك، و أنك إن مت على غير هذا دخلت النار» [1]

ابن دیلمی کہتے ہیں: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ ایسے خیالات پیدا ہوئے، مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ میرا دین اور میرا کام نہ بگڑ جائے، میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے ابومنذر! میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ خیالات ہیں، مجھے تو اپنے دین و ایمان کا خطرہ ہے، لہٰذا آپ مجھے کچھ بتائیں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ذریعے سے فائدہ پہنچا دیں۔

تو انہوں نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان و زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کردے، تو اس کا عذاب دینا ظلم نہیں ہوگا، اگر وہ ان پر مہربانی فرما دے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہت بہتر ہوگی۔ اگر تیرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو یا فرمایا احد پہاڑ جتنا (مال ہو) اسے تو اللہ کی راہ میں

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث، (٧٧)، صحيح ابن ماجه، الباني، ١/ ١٩ ۔

خرچ کر دے، جب تک تو تقدیر پر ایمان نہ لائے، وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، جب تک تیرا یہ ایمان نہ ہو کہ جو کچھ تجھے حاصل ہوا ہرگز تجھ سے چوکنے والا نہیں تھا اور جو کچھ تجھے نہیں مل سکا وہ تجھے ملنے والا نہیں تھا اگر تو اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرے گا تو آگ میں جائے گا۔

اور اگر آپ میرے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے بھی پوچھ لو تو اس میں کیا مضائقہ ہے، ابن دیلمی کہتے ہیں: میں سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، ان سے پوچھا، انہوں نے بھی سیدنا ابی رضی اللہ عنہ ہی کی طرح کہا، نیز انہوں نے کہا: تم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کچھ پوچھ لو، میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا اور کہا: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے بھی پوچھ لو، لہٰذا میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ''اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کے سب باسیوں کو عذاب دے تو اس کا عذاب دینا ظلم نہیں ہوگا، اگر وہ ان پر رحمت فرما دے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہتر ہوگی، اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کے برابر مال یا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیں گے جب تک کہ تم مکمل تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ جو کچھ تمہیں ملا ہے، وہ تم سے خطا نہیں ہو سکتا تھا اور جو کچھ تمہیں نہیں مل سکا وہ تمہیں کبھی مل نہیں سکتا تھا۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔''

اس طویل حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو بات سیدنا ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہم نے موقوفاً کہی، بعینہ وہی بات تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کی۔

جب کہ سائل بھی ایک ہی ہے جس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سیدنا ابی

بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہم نے وہ بات نبی کریم ﷺ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ سن رکھی تھی، لیکن اسے آگے روایت کرتے ہوئے آپ کی طرف نسبت نہیں فرمائی، جب کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے سنی تھی اور انہوں نے صراحۃً آپ کی طرف منسوب فرمادی۔

اسی حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محدثِ شہیر خطیب بغدادی کا ایک اقتباس نقل کردیا جائے، جس سے مرفوع وموقوف کے بعض پہلو واضح ہوجاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"اختلاف الروایتین فی الرفع والوقف لا یؤثر فی الحدیث ضعفا، لجواز أن یکون الصحابی یسند الحدیث مرة، و یرفعه الی النبی ﷺ، ویذکره مرة أخری علی سبیل الفتوی ولا یرفعه، فحفظ الحدیث عنه علی الوجهین جمیعا۔ وقد کان سفیان بن عیینة یفعل هذا کثیرا فی حدیثه، فیرویه تارة مسندا مرفوعاً ویقفه مرة أخری قصداً واعتماداً......"[1]

کسی روایت کو مرفوع اور موقوف بیان کرنے میں اختلاف، حدیث کی تضعیف میں اثر انداز نہیں ہوتا، کیونکہ صحابی بعض دفعہ حدیث کو مرفوع ومسند بیان کرسکتا ہے اور وہی بات بطور فتوی بھی بیان کرسکتا ہے۔ تو حدیث دونوں طرح صحابی سے منقول ہوجاتی ہے۔ امام سفیان بن عیینہ اس طرح بکثرت کیا کرتے تھے، ایک حدیث کو مرفوعاً مسنداً بیان کرتے پھر اس حدیث کو موقوفاً بھی بیان کردیتے اور قصداً ایسا کرتے۔

② صحابہ کے تفسیری اجماعات

اگر کچھ صحابہ کرام سے تفسیری اقوال منقول ہوں اور دیگر صحابہ سے کسی قسم کا کوئی

---

① الکفایة فی علم الروایة، الخطیب بغدادی، باب فی الحدیث یرفعه الراوی تارة و یقفه أخری ، ما حکمه۔ ، ص ٤٤٧۔

اختلاف منقول نہ ہو، تو ایسے تفسیری اقوال بدرجہ اجماع حجت ہوں گے اور اصولِ فقہ میں حجیتِ اجماع کی تمام ادلہ اس پر بالاَولیٰ صادق آئیں گی۔ ①

③ صحابی کا مشہور تفسیری قول

اگر کسی آیت کی تفسیر میں ایک صحابی کا قول مل جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ قول مشہور ہے، جب کہ اس کے مخالف کسی صحابی کا قول منقول نہ ہو تو جمہور علماء کے نزدیک اسے ''اجماع سکوتی'' کا درجہ حاصل ہے اور یہ قول حجت ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأما أقوال الصحابة فان انتشرت ولم تنكر فى زمانهم فهى حجة عند جماهير العلماء'' ②

اقوال صحابہ اگر معروف ہو جائیں اور اپنے عہد میں ان پر کوئی اعتراض بھی نہ کیا جائے تو وہ جمہور علماء کے نزدیک حجت ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فان اشتهر فالذى عليه جماهير الطوائف من الفقهاء أنه اجماع وحجة، وقالت طائفة منهم: هو حجة و ليس باجماع قالت شر ذمة من المتكلمين وبعض الفقهاء المتاخرين لا يكون اجماعا ولا حجة'' ③

اگر (قول صحابی) مشہور ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک اجماع اور حجت ہے، بعض فقہاء کے نزدیک حجت ہے، لیکن اجماع نہیں، متکلمین کے ایک قلیل گروہ اور بعض متاخرین فقہاء کے نزدیک نہ حجت ہے اور نہ ہی اجماع۔

① ملاحظہ ہو: اعلام الموقعين: ٥/ ٥٤٨، قو اعدالتفسير، خالد عثمان السبت، ١/ ١٨٢

② مجموع الفتاویٰ، ٢٠/ ١٤۔ ③ اعلام الموقعين، ٥/ ٥٤٩۔٥٥٠۔

④ صحابی کا غیر مشہور قول

اگر کسی آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں صحابی کا ایسا قول ملتا ہے جو غیر مشہور ہے، یا اس کے بارے میں بالتحقیق شہرت یا عدمِ شہرت کا علم ہی نہیں ہے، تو ایسے قول کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے۔

① جمہور ائمہ امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔[1]

② متاخرینِ احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور جمہور متکلمین کے نزدیک حجت نہیں ہے، کیونکہ صحابی بہر حال مجتہد ہے اور مجتہد سے خطا وصواب دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ ان کے فضل وشرف اور مقام ومرتبہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ان کے اقوال حجت ہوں۔[2]

متقدمین اور متاخرین کے نزدیک یہ اختلاف تعجب خیز ہے، شاید فقہاء کے موقف میں یہ تبدیلی متاخرینِ فلاسفہ اور متکلمین سے شدید تاثر کی بنا پر ہے۔[3]

⑤ صحابہ کے اختلافی اقوال

صحابہ کرام سے اگر ایسے تفسیری اقوال منقول ہوں جو باہم متعارض اور متصادم ہوں، تو ایسی صورت حال میں دیگر دلائل کی روشنی میں اقرب الی الصواب کو ترجیح دی جائے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وان تنازعوا رد ما تنازعو فيه الى الله والرسول ، ولم يكن قول بعضهم حجة مع مخالفة بعضهم له باتفاق العلماء“[4]

اگر صحابہ باہم مختلف ہوں تو فیصلہ اللہ اور اس کے رسول (قرآن وسنت) کی طرف لوٹا یا جائے گا اور باتفاق علماء اس اختلافی صورت حال میں صحابہ کے اقوال حجت نہیں ہوں گے۔

---

① مجموع الفتاویٰ، ابن تیمیہ، ۲۰/ ۱٤، اعلام الموقعین ٥/ ٥٥۔

② ایضاً : ٥/٥٥٥-٥٥٦ ۔ ③ حاشیہ اعلام الموقعین ، ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان ، ٥/ ٥٥٥، بذیل حاشیہ نمبر۳ ۔ ④ مجموع فتاویٰ : ۲۰/ ۱٤ ۔

یہ تمام تقسیمات زیادہ تر کتبِ اصولِ فقہ کی روشنی میں وضع کی گئی ہیں، جو کہ اصول تفسیر میں بھی مشتعلِ راہ ہیں۔ تاہم اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ قولِ صحابی پہ کتبِ تفاسیر کی روشنی میں مستقلاً تحقیق کی جائے۔ تمام اقوال صحابہ کو یکجا کر کے، اسنادی تحقیق و تنقیح کے بعد تحلیل وتجزیہ ہو اور پھر اس کی روشنی میں نتائج مرتب کیے جائیں۔

⑥ صحابی کی لغوی تشریح

صحابی اگر قرآن مجید کے کسی کلمہ، ترکیب یا محاورہ کی لغوی تشریح پیش کر رہا ہو، تو وہ بھی حجت ہے، کیونکہ صحابہ خود اہل زبان ہیں۔[1]

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث وتفسیر میں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

امام بخاری سورۂ مدثر کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال ابن عبّاسٍ: "عَسِيْرٌ: شَدِيْدٌ"[2] عَسِيْرٌ کا معنی سخت ہے، مزید لکھتے ہیں: قال ابو هريرة: "اَلْقَسْوَرَة: قَسْوَرَ الأسد"[3] قَسْوَرَہ سے مراد شیر اور اس کا حملہ ہے۔

سورۂ مزمل میں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا﴾ "اور پہاڑ ایسے بھر بھرے (گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں" اس کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "كَثِيْبًا مَّهِيْلًا: الرَّمل السائل" اس سے مراد بہتی ریت ہے۔[4]

⑦ حجیتِ قولِ صحابی کی نوعیت اور صحابی کا شاذ قول

① تفسیرِ قرآن میں قولِ صحابی حجتِ مستقلہ نہیں ہے، بلکہ حجت بالغیر ہے، اس کی حجیت دیگر دلائل وقرائن کی بنیاد پر ہے۔ اس لیے انفرادی طور پر کسی صحابی کا غیر معروف قول درج ذیل شروط کے ساتھ حجت ہوگا۔

☆ اس میں کسی نصِ شرعی کی مخالفت نہ ہو۔

---

① الموافقات، شاطبی، ۳/ ۲۳۸، البرهان للزركشي، ۲/ ۱۷۲ قواعد التفسير، السبت، ۱/ ۱۸۔ ② صحيح البخاري، كتاب التفسير، المدثر، قبل الحديث۔
③ ايضًا۔ ④ ايضًا، قبل حديث ٤٩٢١۔

⑦ کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول ثابت نہ ہو، کیونکہ دوسرے تمام صحابہ کی خاموشی اور ان سے عدمِ نقل اس بات کی دلیل ہے کہ اس خاص منقول عنہ صحابی کی رائے صائب ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمام صحابہ کی جماعت میں سے صرف ایک ہی صحابی کا قول منقول ہو اور وہ بھی خلافِ حق ہو!

البتہ انفرادی طور پر کسی ایک صحابی کی رائے میں اجتہادی غلطی ممکن ہے، کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں۔

اس صورت میں دیگر نصوصِ شرعیہ اور اقوالِ صحابہ کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا اور وہ مخصوص انفرادی قول شاذ اور مرجوح شمار کیا جائے گا۔ ①

⑧ صحابی کا اسرائیلیات سے مستفاد قول

جو بات کسی صحابی نے اہلِ کتاب کے علماء سے یا ان کی کتابوں سے نقل کی ہو، تو وہ نہ صحابی کی رائے سمجھی جائے گی اور نہ ہی مرفوع روایت۔ اس طرز کے اقوالِ صحابہ کا وہی حکم ہے جو اسرائیلی روایات کا ہے۔ ②

(ب) تفسیر القرآن بأقوال التابعین

تابعی کی تعریف

امام حاکم کے نزدیک تابعی کی تعریف یہ ہے:

"التابعی من صحب الصحابی" ③ یعنی تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل ہوئی ہو۔

امام حاکم رحمہ اللہ کے نزدیک تابعی ہونے کے لیے صحابی کی طویل رفاقت ضروری نہیں،

① اعلام الموقعین: ٦/ ٣٣۔ ② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قواعد التفسیر: ١/ ١٦٦، ١٨١؛ فصول فی اصول التفسیر، مساعد ص: ٣٣۔ ③ مقدمة ابن الصلاح، النوع الموفی اربعین، معرفة التابعین، ص ٤٠۔

بلکہ صحابی سے سماع یا ملاقات بھی کافی ہے۔ نیز امام حاکم رحمہ اللہ نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔①

عراقی نے کہا ہے:

"والتابعی اللاقی لمن قد صحبا۔ وللخطیب حده أن یصحبا"②

تابعی وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات ثابت ہو، جبکہ خطیب بغدادی کے نزدیک تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل رہی ہو۔

تفسیر تابعین کی اہمیت

① تابعین نے تفسیر براہ راست صحابہ کرام سے سیکھی ہے۔

② تابعین خیر القرون میں شامل ہیں۔

③ تابعین کی زبان دانی اور اسالیب عرب سے واقفیت بعد والوں کی بہ نسبت بہتر ہے۔③

تفسیر تابعین کے احکام

تفسیر تابعین کی مختلف انواع واقسام ہیں اور ہر قسم کا اپنا ایک مخصوص حکم ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① تفسیر مرسل

تابعی اگر اسبابِ نزول، قصصِ انبیاء، فتن وملاحم اور دیگر ایسے غیبی امور کی تفسیر کرے جو عقل واجتہاد پر مبنی نہیں ہوتے، تو ایسی تفسیر کا حکم وہی ہے جو مرسل حدیث کا ہے۔ قبولِ مرسل کی شروط جو اہل علم کے ہاں طے ہیں، تفسیر کے باب میں بھی وہی شروط عائد

---

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: معرفة علوم الحدیث، الحاکم، ص٤٢، مقدمہ ابن الصلاح ص٤٠۔ ② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: معرفة علوم الحدیث، الحاکم، ص٤٢، مقدمہ ابن الصلاح ص٤٠۔ ③ قواعد التفسیر، خالد عثمان السبت، ١/ ١٨۔

ہوں گی۔

مثال کے طور پر: امام مجاہد ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (الاسراء:۷۹) ''(یہ شب خیزی) تمہاری لیے (سبب) زیادت ہے (ثواب اور نماز تہجد تم کو نفل ہے) قریب ہے کہ خدا تم کو مقام محمود میں داخل کرے۔'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''اقعاده على العرش''[1] یہ تفسیر مرسل ہے۔

اور واضح طور پر یہ مرسل ضعیف و مردود ہے، کیونکہ مرفوع تفسیر کے مخالف ہے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے مقام شفاعت کو مقام محمود قرار دیا ہے۔[2]

② اجماعِ تابعین

یہ بلا شبہ حجت ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أما اذا اجتمعوا على الشئى فلا يرتاب فى كونه حجة''[3]

جب (تابعین) کسی چیز پر متفق ہو جائیں، تو وہ بلا شبہ حجت ہے۔

③ اسرائیلیاتِ تابعین

تابعین اگر تفسیر میں اسرائیلی روایات پیش کریں، تو ان کا حکم وہی ہوگا جو اسرائیلی روایات کا ہے۔

④ تابعین کے اختلافی تفسیری اقوال

اگر تابعین سے مختلف تفسیری اقوال منقول ہوں تو وہ یقیناً حجت نہیں ہیں، بلکہ اس صورت حال میں خود قرآن مجید، احادیث، اقوال صحابہ اور لغت عرب کی روشنی میں تفسیر متعین کی جائے گی۔

---

① تفسير الطبری، ۱۵/ ۱٤٥۔

② تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: معرفة علوم الحديث، الحاكم، ص٤٢، مقدمه ابن الصلاح ص ٤٠٥۔ ③ مقدمة فى أصول التفسير، ص ٥٠۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال شعبة بن الحجاج وغيره: أقوال التابعين فى الفروع ليست حجة ، فكيف تكون حجة فى التفسير، يعنى أنها لا تكون حجة على غيرهم ممن خالفهم وهذا صحيح، أما اذا اجتمعوا على الشئى فلا يرتاب فى كونه حجة، فان اختلفوا فلا يكون قول بعضهم حجة على بعض ولا على من بعدهم، ويرجع فى ذالك الى لغة القرآن أو عموم لغة العرب أو أقوال الصحابة فى ذالك" ①

شعبہ بن حجاج کہتے ہیں: تابعین کے اقوال فقہی فروع میں حجت نہیں ہیں، تفسیر میں کیونکر حجت ہوسکتے ہیں، یعنی وہ دیگر تابعین پر حجت نہیں ہیں، البتہ اگر وہ کسی چیز پر مجتمع ہوجائیں، تو بلاشبہ حجت ہیں، اگر وہ باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں حجت نہیں ہیں، نہ ایک دوسرے کے لیے اور نہ ہی بعد والوں کے لیے۔ بلکہ اس صورت حال میں لغت قرآن، عام لغت عرب یا اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

⑤ کسی ایک تابعی کا قول جب کہ اس کے مخالف کوئی دوسرا قول نہ ہو

اگر کسی آیت کی تفسیر میں ایک تابعی سے قول منقول ہے، جب کہ دیگر تابعین سے اس بارے میں کوئی قول منقول نہیں تو کیا وہ حجت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

① جمہور کے نزدیک وہ حجت نہیں ہے۔

② بعض حنابلہ اور شوافع کے نزدیک وہ حجت ہے بشرطیکہ کسی قولِ صحابی کے مخالف نہ ہو۔

③ امام احمد، امام شافعی سے حجیت وعدم حجیت دونوں اقوال منقول ہیں۔

---

① ایضًا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فان قيل: فبعض ما ذكرتم من الأدلة (أى على قبول قول الصحابى اذا قال قولا ولم يعلم له مخالف) يقتضى أن التابعى اذا قال قولا ولم يخالفه صحابى ولا تابعى أن يكون قوله حجة ؟

فالجواب أن التابعين انتشروا انتشارا لا ينضبط لكثرتهم، وانتشرت المسائل فى عصرهم ، فلا يكاد يغلب على الظن عدم المخالف لما أفتى به الواحد منهم۔ فان فرض ذالك فقد اختلف السلف فى ذالك، فمنهم من يقول: يجب اتباع التابعى فيما أفتى به، ولم يخالفه فيه صحابى ولا تابعى، وهذا قول بعض الحنابلة والشافعية...... والأكثرون يفرقون بين الصحابى والتابعى، ولا يخفى ما بينهما من الفروق، على أن فى الا حتجاج بتفسير التابعى عند الامام أحمد روايتين ، ومن تأمل كتب الائمة ومن بعدهم وجدها مشحونة بالاحتجاج بتفسير التابعى“[1]

اگر یہ کہا جائے کہ قول صحابی (جبکہ اس کے مخالف کوئی اور قول معلوم نہ ہو) کے بارے میں مذکور دلائل کا تقاضا ہے کہ ایسی صورت میں قولِ تابعی کو بھی حجت مانا جائے جب اس کے خلاف کسی صحابی اور تابعی کا قول نہ ہو؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تابعین مختلف اطراف و اکناف میں اس کثرت سے پھیل چکے تھے کہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے، نیز ان کے عہد میں مسائل میں بھی پھیلاؤ پیدا ہو چکا تھا، اس صورت حال میں قول تابعی کے مخالف کسی فتوی کا نہ ہونا، ظن غالب

---

[1] إعلام الموقعين۔

کے خلاف ہے۔ تاہم اگر فرض کر لیا جائے تو بھی اس بارے میں سلف کا اختلاف ہے، بعض فتوی تابعی کی اتباع ایسی صورت میں ضروری قرار دیتے ہیں، جب اس کے مخالف کسی صحابی یا تابعی کا قول منقول نہ ہو، بعض حنابلہ اور شوافع کی یہی رائے ہے، اکثر اسلاف صحابی اور تابعی کے مابین فرق کے قائل ہیں اور ظاہر ہے ان دونوں شخصیتوں میں فرق تو ہے۔ تفسیر تابعی سے حجت اخذ کرنے کے بارے امام احمد کے دو اقوال ہیں۔ ائمہ کی کتب تفسیر میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقوال تابعین سے حجت اخذ کرنے میں بھری پڑی ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقوالِ تابعین کے بارے سلف میں اختلاف ہے، وہاں یہ اہم حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلاف تابعین کے فقہی اقوال اور تفسیری اقوال میں فرق کرتے تھے۔ تابعین کے تفسیری اقوال کو بالخصوص زیادہ اہمیت دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ مفسرین کی کتب اقوالِ تابعین سے بھری ہوئی ہیں۔

راجح بات یہی ہے کہ تابعی کے تفسیری قول کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس کے حجتِ شرعیہ ہونے کے دلائل قوی نہیں ہیں۔ لیکن بہر حال تابعی کا قول بعد والوں کے اقوال سے بہتر ہے اس لیے کہ انہوں نے تفسیر صحابہ سے سیکھی ہے اور عربی سلیقے سے بھی نسبتاً بہتر واقف ہیں۔

بالخصوص مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطا بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابو العالیہ، ربیع، قتادۃ اور ضحاک جیسے کبار تابعین رحمہم اللہ کے اقوال، جب کہ سندِ صحیح سے ثابت ہوں، مفسرین کے ہاں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ [1]

تفسیرِ صحابہ وتابعین کے بارے بعض اہم اصول

(1) تفسیرِ صحابہ وتابعین کی اسانید پر تحقیق انتہائی اہمیت کی حامل ہے، بصورت دیگر اس

[1] دیکھیے: مقدمه فی اصول التفسیر ابن تیمیه، ص: ٤٨، ٤٩، فصول فی اصول التفسیر: الطیار ص: ٤٠۔

کی حیثیت محض ایک تفسیری قول کی ہوگی۔

② صحابہ وتابعین سے منقول تفاسیر کے تمام طرق اور الفاظ کو جمع کرنا ضروری ہے، اس صورت میں معانی ومفاہیم زیادہ واضح صورت میں معلوم ہو جاتے ہیں۔

③ صحابہ وتابعین کے کئی اقوال باہم متضاد ہوتے ہیں، بلکہ خود ایک ہی صحابی اور ایک ہی تابعی سے متضاد اقوال منقول ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو روایت ودرایت کی روشنی میں راجح قول اختیار کی جائے گا۔

④ صحابہ وتابعین کے اکثر ثابت شدہ تفسیری اقوال میں تناقض وتضاد بالکل نہیں ہوتا، محض تعبیرات میں ظاہری اختلاف ہوتا ہے، جسے اختلاف تنوع کہا جاتا ہے۔

⑤ صحابہ وتابعین کے ثابت شدہ قول سے انحراف کرتے ہوئے کوئی ایسا نیا قول اختیار نہیں کیا جاسکتا جو اقوالِ سلف سے معارض ہو اور جسے اختیار کرنے سے سلف کی تردید لازم آتی ہو۔

⑥ صحابہ وتابعین سے ہٹ کر قرآن مجید سے نکات ولطائف، استنباطات وتعریفات اور ایسے اقوال جن سے اسلاف کی تردید نہ ہو رہی ہو بیان اور اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں تدبر وتفکر کے دروازے قیامت تک کے لیے کھلے ہیں اور اس کے عجائبات لامتناہی ہیں۔[1]

---

① دیکھیے، مقدمة فی اصول التفسير، ابن تيميه، ص ٤٨-٤٩، فصول فی أصول التفسير، الطيار، ص٤٠۔

فصل: 6

تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ کے اصول وقواعد☆

قرآن مجید عربی مبین میں نازل ہوا ہے، اس لیے عربی زبان کے مفردات اور اسالیب وتعبیرات سے آگہی کے بغیر تفسیرِ قرآن ممکن ہی نہیں۔ صحابہ وتابعین تفسیر قرآن کے لیے عربی زبان وادب سے خوب استفادہ کرتے اور جا بجا اشعارِ عرب بطور استشہاد پیش فرماتے۔ بعض ائمہ نے عربی لغت سے تفسیر قرآن کے جواز پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"لا أوتی برجل يفسر كلام الله وهو لا يعرف لغة العرب الا جعلته نكالا"[2]

جو شخص عربی زبان کی معرفت رکھے بغیر کلام الٰہی کی تفسیر کرتا ہے، اگر میرے پاس لایا جائے تو میں اسے نشانِ عبرت بنادوں۔

لیکن عربی زبان کے الفاظ اور اسالیب ومحاورات مختلف اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں، اور کہیں مشترکات ہیں، کہیں مترادفات اور کہیں اضداد، کہیں حقیقت ومجاز کا مسئلہ، اور کہیں تشبیہ واستعارہ کا، ان متنوع وجوہ واسالیب کو پیشِ نظر رکھا جائے تو آیات مبارکہ میں کئی احتمالی معانی پیدا ہوجاتے ہیں۔

اس صورت حال میں کون سے معانی مراد لیے جائیں اور کسے ترک کیا جائے؟

☆ اس موضوع پر ہمارے فاضل دوست پروفیسر ڈاکٹر شہباز حسن نے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا ہے۔ ''عربی لغت سے استدلال، اردو تفسیری ادب کا جائزہ'' اپنے موضوع پر اچھی کاوش ہے اور لائق مطالعہ ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

[1] بحواله: فصول فی أصول التفسير، دكتور مساعد، ص٤٢۔

[2] تفسير البسيط، واحدی، ١/ ٢١۔

یہ انتہائی اہم اور نازک سوال ہے۔ مکتب تفسیر بالمأثور سے وابستہ ائمہ و علماء نے اس کے لیے قواعد وضوابط تحریر کیے ہیں، اس موضوع کے ذیل میں ان میں سے چند اہم قواعد مثالوں کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

عربی لغت سے تفسیر کے اصول وقواعد

① کثیر الاستعمال افصح معانی مراد لینا، قلیل اور شاذ کو ترک کرنا

قرآن مجید افصح الکلام ہے اور یہ عربوں کے معروف معانی کے مطابق نازل ہوا ہے، اس لیے اس سے افصح اور معروف معانی ہی مراد لیے جائیں گے، شاذ اور قلیل استعمالات ترک کر دیئے جائیں گے۔

مثال: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا﴾ (النبأ: ٢٤) ''نہ اس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پانی کا۔''

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں درج بالا قاعدے کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کلامِ عرب سے استشہاد کرتے ہوئے، یہاں ''بردا'' سے نیند مراد لی ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہنمی نہ تو وہاں نیند چکھیں گے اور نہ پینے کی کوئی چیز...... (مزید لکھتے ہیں)...... نیند اگرچہ پیاس کی شدت کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اس وجہ سے اسے ''برد'' کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ ''برد'' نیند کے لیے معروف نہیں۔

''وتأويل كتاب الله على الأغلب من معروف كلام العرب دون غيره''[1]

کتاب اللہ کی تفسیر کلام عرب کے معروف اور کثیر الاستعمال معنی سے کی جائے، نہ کہ دیگر (شاذ ونادر) معانی سے۔

---

① تفسير طبرى، ٣٠/ ١٣ التحرير والتنوير، ابن عاشوره، ٣٠/ ٣٧، قواعد التفسير، ١/ ٢١٣، فصول فى أصول التفسير، الطيار، ص٤٤ ـ

مزید برآں سیاق و سباق سے بھی کثیر الاستعمال معنی کی ہی واضح تائید ہو رہی ہے، جیسے ارشاد الٰہی ہے:﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا﴾(النبأ:۲٤-۲٥)''وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے۔ نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا)۔ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ''"بردًا، شرابًا" کے بالمقابل "حمیمًا، غساقًا"کو لایا گیا ہے۔ جس سے یہ معنی کھل کر سامنے آتا ہے کہ اہل جہنم کی ''بردًا" (ٹھنڈک) کی بجائے ''حمیمًا" (گرم کھولتا ہوا پانی) اور"شرابًا" (مشروب) کی بجائے "غساقًا" (پیپ) سے تواضع کی جائے گی۔

قدیم مفسرین کے نزدیک مشہور و متبادر الی الذہن معانی کو چھوڑ کر، نادر اور قلیل الاستعمال معانی مراد لینا کبھی بھی علماء راسخین کا طریقہ نہیں رہا ہے۔①

② لغوی معانی بنیادی طور پر صحابہ اور تابعین سے حاصل کیے جائیں گے

بیشتر صحابہ کرام خالص عربی النسل ہیں، ان ہی کو براہ راست قرآن مجید نے مخاطب کیا ہے اور انہی کی لغت میں قرآن نازل ہوا ہے۔ تابعین نے ان سے علم حاصل کیا اور صحابہ و تابعین خالصۃً لغوی لحاظ سے بھی اس دور سے تعلق رکھتے ہیں، جب عرب لوگوں کی زبان خالص تھی اور ہر خالص عربی کا بولا ہوا لفظ قابل حجت تھا، یعنی صحابہ و تابعین ''عصر الاحتجاج اللغوی'' سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ان کی تشریحات ائمہ لغت، اصحابِ قوامیس و معاجم پر خالصۃً لغوی لحاظ سے بھی فائق ہیں۔ اس بنا پر صحابہ و تابعین کی تفسیرات کے دو اہم پہلو ہیں:

① ایک پہلو کے لحاظ سے ان کی تفسیر ''تفسیر بالمأثور'' ہے کہ ان کے اقوال خالصۃً شرعی نقطہ نظر سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

② دوسرے پہلو کے لحاظ سے ان کی تفسیر ''تفسیر باللغۃ'' کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، کیونکہ وہ عربی لغت کے دور احتجاج میں زندگی بسر کرنے والے خود اہل زبان لوگ ہیں۔

---

① ملاحظہ ہو: تفسیر طبری، ۳/ ۱٤۹-۱٥۳، محاسن التأویل، قاسمی، ۱/ ۲٦۲، علوم القرآن، گوہر رحمان، ۲/ ٦٤۔

اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ دیگر شعراءِ عرب اور ائمہ لغت کا سرے سے کوئی مقام ہی نہیں، لیکن یہ مطلب ضرور ہے کہ فہمِ قرآن میں شعراءِ عرب اور ائمہ لغت کی طرف دوسرے درجے میں رجوع کیا جائے اور پہلے درجے میں صحابہ وتابعین کی طرف۔

مثال: غزوۂ بدر کے پس منظر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾ (الانفال:١١)

''اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعے سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔''

لغت کے معروف امام ابوعبیدہ نے ''ويثبت به الأقدام'' کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے: '' مجازه:يفرغ لهم الصبر وينزله عليهم فيثبتون لعدوهم'' یعنی ثابت قدمی مجازی معنی میں ہے: اور اس سے مراد ہے بھرپور صبر کا نزول تاکہ وہ دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں۔ جب کہ صحابہ کرام جن پر احسانات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں مخاطب کر رہا ہے اور جو خود اس واقعہ کے عینی شاہد اور شرکاء معرکہ ہیں ان کے نزدیک ''ثابت قدمی'' سے حقیقی معنی مراد ہے۔

ابوعبیدہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام طبری لکھتے ہیں:

''وذالك قول خلاف لقول جميع أهل التأويل من الصحابة والتابعين، وحسب قول خطأً أن يكون خلفاً لقول من ذكرنا وقد بينا أقوالهم فيه، وأن معناه: ويثبت أقدام المؤمنين بتلبيد المطر الرمل حتى لا تسرح أقدامهم وحوافر دوابهم''[1]

---

[1] تفسير الطبرى، ٩/ ١٩٧، تفسير ابن عطيه، ١٣/ ٢٤٥، ٩/ ٤٢٩، معانى القرآن، ٤/ ٣٠٩، فصول فى أصول التفسير، الطيار، ص٤٦_٧۔

اور ابو عبیدہ کا قول تمام مفسرین صحابہ و تابعین کے مخالف ہے اور کسی قول کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ مذکورہ لوگوں کے مخالف ہو، اس بارے ابھی ہم ان کے اقوال واضح کر چکے ہیں اور یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک ثابت قدمی کا مفہوم یہ ہے کہ بارش کے نزول سے ریت گیلی اور تر ہوگئ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے پاؤں جمادیے تا کہ نہ ان کے اپنے پاؤں پھسلیں اور نہ ہی ان کے جانوروں کے۔

اگر مزید غور و فکر کیا جائے تو صحابہ و تابعین کا بیان کردہ معنی سببِ نزول، سیاق و سباق اور خود آیت کی اندرونی ترتیب کے لحاظ سے بھی راجح قرار پاتا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک پہلو پر غور کرنے سے ہی صحابہ کا مفہوم راجح نظر آنے لگتا ہے، مثلاً: اگر ثابت قدمی سے مجازی معنی مراد لیا جائے، تو تکرار غیر مفید ماننا پڑے گا، کیونکہ صبر و ثبات کا تذکرہ تو ”ولیربط علی قلوبکم“ کہہ کر پہلے ہی کیا جا چکا ہے جو کہ نزول صبر کی خوبصورت پیرائے میں تصویر کشی کر رہا ہے، لہٰذا دوبارہ اس کے تذکرے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

③ تفسیرِ صحابہ و تابعین کے مخالف لغوی تفسیر مردود ہوگی

گزشتہ مثال سے یہ اصول بھی واضح ہوتا ہے کہ اصحابِ تفسیر بالمأثور کے نزدیک صحابہ و تابعین کی متفقہ تفسیر ہی قابل حجت ہے، اس کے مخالف لغوی تفسیر مردود ہے، اگرچہ ظاہر لغت کے اعتبار سے قابلِ قبول ہو اور محاوراتِ عرب بھی اس کی تائید کرتے ہوں۔ امام طبری کے درج ذیل الفاظ اس اصول کو آشکارا کرنے میں بہت اہم ہیں:

”وحسب قول خطأً أن یکون خلافاً لقول من ذکرنا“[1]

کسی قول کے غلط ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہمارے مذکورہ لوگوں (صحابہ و تابعین) کے قول سے متعارض ہو۔

---

[1] تفسیر الطبری، ۹/ ۱۷۹۔

اس بنا پر مکتب تفسیر بالماثور کے نزدیک یہ قاعدہ ہے:

”فهم السلف للقرآن حجة يحتكم اليه لا عليه “

سلف کا فہمِ قرآن حجت ہے، ان کے فہم سے فیصلہ حاصل کیا جائے گا، نہ کہ ان کے فہم کے خلاف فیصلہ چسپاں کیا جائے گا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الواجب أن تعرف اللغة والعادة والعرف الذى نزل فى القرآن والسنة، وما كان الصحابة يعرفون من الرسول عند سماع تلك الألفاظ،فبتلك العادة واللغة، والعرف، خاطبهم اللّٰه ورسوله“[1]

قرآن وسنت میں نازل ہونے والے عرف و عادت اور لغت کو پہچاننا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ سے الفاظ سنتے ہوئے صحابہ کرام جو مفہوم مراد لے لیتے تھے، اسے پہچاننا بھی ضروری ہے، کیونکہ انہی کے عرف و عادت اور لغت کے مطابق اللہ عزوجل اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ان سے مخاطب ہوئے۔

④ تفسیرِ قرآن عرب امیین کے ہاں معروف معانی و اسالیب کے مطابق ہوگی، نہ کہ جدید اصطلاحات کے مطابق

بعض لوگ قرآن مجید کی تفسیر میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ فلسفہ وعلم الکلام کی جدید اصطلاحات، سائنس و ٹیکنالوجی کی ایجادات اور اس طرح کے دیگر علوم بھی ان کے نزدیک فہم قرآن کے لیے ضروری ہیں۔ تفسیرِ قرآن بنیادی طور پر مرادِ الٰہی کی تعیین کا نام ہے، جو کہ حقیقتاً عہد نبوی میں طے ہو چکی ہے۔ اب مزید استنباطات واستخراجات اور لطائف و معارف کا دروازہ تو کشادہ ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ صحابہ و تابعین کے مخالف نہ ہو، لیکن بنیادی معنی اور منشاءِ ربانی کے تعین کے لیے جدید اصطلاحات اور پیچ در پیچ موشگافیوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

---

[1] مجموع الفتاوىٰ، ٧/ ١٠٦۔

کیا فہمِ قرآن کے لیے فلسفہ وعلم الکلام جاننا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر فریقین کی آرا ذکر کرنے کے بعد امام شاطبی رحمہ اللہ تبصرہ فرماتے ہیں:

"و شاهد ما بين الخصمين شأن السلف الصالح في تلك العلوم، هل كانوا آخذين فيها أم كانوا تاركين لها أو غافلين عنها؟ مع القطع بتحققهم بفهم القرآن، يشهد لهم بذالك النبي صلی اللہ علیہ وسلم، والجم الغفير، فلينظر امرؤ أين يضع قدمه؟"①

(فلسفہ وعلم الکلام کے ضرورت و عدم ضرورت پر) فریقین کے درمیان ان علوم کے حوالے سے سلف صالحین کی صورتِ حال فیصلہ کن ہے۔ کیا سلف نے ان علوم کو حاصل کیا تھا یا انہیں چھوڑا ہوا تھا یا ان سے بے خبر تھے؟! جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کا جم غفیر گواہ ہے، کہ وہ سب یقینی طور پر صحیح معنی میں قرآن مجید کو سمجھتے تھے، ہر انسان کو غور کرنا ہوگا کہ وہ اپنا پاؤں کہاں رکھ رہا ہے؟

اس لیے تفسیرِ قرآن کرتے ہوئے یہ بات ہر وقت ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ قرآن اولین طور پر ان لوگوں سے مخاطب ہوا، یہ حقیقت نصِ قرآن سے ثابت ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾(الجمعة:٢)

"وہی ہے جس نے اُمی لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا۔"

ارشادِ نبوی ہے: ((انی بعثت الی أمة أميين)) ②

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((انا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب ، الشهر هكذا و هكذا)) ③

"ہم اُمی امت ہیں، ہم لوگ حساب کتاب نہیں جانتے، مہینا اس طرح اور اس طرح شمار ہوتا ہے (یعنی انتیس اور تیس)۔"

اس اصول کو قواعد تفسیر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

---

① الموافقات: ٣۔ ② جامع الترمذی، ابواب القراء ات ، باب ما جآء نزل القرآن على سبعة احرف۔ ③ صحيح البخاری كتاب الصيام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نكتب ولا نحسب حديث: ۳۱۹۱۔

”تُحمل نصوص الكتاب على معهود الاميين فى الخطاب“①

عرب امیین کے ہاں معروف معانی پر کتاب اللہ کی عبارتیں محمول کی جائیں گی۔

فلسفہ و کلامیات تو کجا، شرعی علوم کی وہ اصطلاحات جو عہد صحابہ و تابعین کے بعد علوم کے ارتقا کے ساتھ تشکیل پاتی رہیں، ان پر بھی قرآن مجید کو محمول نہیں کیا جائے گا۔

اس بارے میں تفسیری قاعدہ یہ ہے:”لا يجوز حمل الكتاب على اصطلاح حادث“②

کتاب اللہ کو کسی جدید اصطلاح پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

اس حوالے سے سید رشید رضا لکھتے ہیں:

”ان كثيراً من الألفاظ كانت تستعمل فى زمن التنزيل لمعان، ثم غلبت على غيرها بعد ذالك بزمن قريب أو بعيد، من ذالك لفظ ”التأويل“ اشتهر بمعنى التفسير مطلقاً أو على وجه مخصوص، لكنه جاء فى القرآن بمعان أخرى ، كقوله تعالىٰ: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ﴾ (الاعراف٧:٥٣) فما هذا التأويل ؟ يجب على من يريد الفهم الصحيح أن يتتبع الاصطلاحات التى حدثت فى الملة ليفرق بينها و بين ما ورد فى الكتاب، فكثيرا ما يفسر المفسرون كلمات القرآن بالاصطلاحات التى حدثت فى الملة بعد القرون الثلاثة الأولىٰ فعلى المدقق أن يفسر القرآن بحسب المعانى التى كانت مستعملة فى عصر النزوله“③

---

① قواعد التفسير:١ /٢١٧؛مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:الموافقات، شاطبی،٣ ـ٢٦٠ـ٢٧٤، الفوز الكبير، شاه ولى الله ، ص٣٧ ـ ② قواعد التفسير:١ /٢٣٠ـ

③ تفسير المنار، ١ /٢٣، مزید مثالوں اور تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: قواعد التفسير، السبت، ١ /٢٣٠ـ٢٣٥ـ

قرآن مجید کے بہت سے الفاظ اس نوعیت کے ہیں کہ وقت نزول میں ان کے مخصوص معانی تھے، وقت کے کچھ کم یا زیادہ گزر جانے کے بعد انہی الفاظ پر اور معانی غالب آ گئے، جیسا کہ لفظ "تأویل" ہے۔ اس کا مشہور معنیٰ مطلق تفسیری مخصوص طرز کی تفسیر ہے، لیکن قرآن مجید میں یہ اور معانی میں مستعمل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا ﴾ (الأعراف:٥٣) اس آیت میں تاویل سے کیا مراد ہے؟ صحیح فہم حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ملت اسلامیہ میں پیدا ہونے والی جدید اصطلاحات سے آگاہی حاصل کرے، تاکہ وہ قرآن مجید میں وارد معانی اور جدید اصطلاحات کے نئے معانی میں فرق کر سکے۔ تو بہت سے مفسّرین کلمات قرآن کی تفسیر ملت اسلامیہ میں تین صدیوں کے بعد پیدا ہونے والی جدید اصطلاحات کی روشنی میں کرتے ہیں پس محقق پر ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر ان مفاہیم کی روشنی میں کرے جو زمانۂ نزول میں مستعمل تھے۔

مثالیں

① "تأویل" کا لفظ کتاب اللہ میں زمانۂ نزولِ وحی میں ایک خاص معنی میں مستعمل تھا، لیکن متأخرین کے نزدیک راجح مفہوم کو چھوڑ کر مرجوح معنی مراد لینے کو تاویل کہتے ہیں۔

② "الحکمة" کا مفہوم سلف کے ہاں اور تھا، بعض متأخرین کے نزدیک فلسفہ پر بھی حکمت کا اطلاق ہوتا ہے۔

③ قرآن مجید میں "قریہ" اور "مدینہ" ایک ہی معنی میں مستعمل ہے، جبکہ متاخرین کے نزدیک بڑے شہر کو "مدینہ" اور بستی، قصبہ وغیرہ کو "قریہ" کہتے ہیں۔

④ سلف کے ہاں اور لغت قرآنی میں "صدقہ" کا مفہوم وسیع ہے، جس میں نفلی صدقات اور فرضی زکوٰۃ دونوں شامل ہیں، جب کہ بعض متاخرین کے نزدیک "صدقہ" کا اطلاق صرف نفلی انفاق پر ہوتا ہے۔

⑤ قرآنی استعمالات میں لفظ ''فرض'' وضاحت، انزال اور حلت وغیرہ کے معنی میں ہے۔[1] جب کہ متاخرین اصولیین کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کا خاص اصطلاحی مفہوم ہے۔

⑤ تفسیر قرآن میں شرعی معنی کو مقدم رکھا جائے گا

شرعی معنی سے مراد یہ ہے کہ شریعت بعض الفاظ کو خاص مفہوم میں لے آتی ہے، یا لغت میں مستعمل الفاظ پر نئی شروط و قیود اور اوصاف کا اضافہ کر کے اسے ایک بالکل نیا پیرہن دے دیتی ہے۔ اگر کوئی ''مفسر'' قرآن کے اس طرز کے شرعی اصطلاحی الفاظ کو محض لغت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے تو اسے دماغی خلل ہی کہا جا سکتا ہے۔

مثال

لغت میں سرینوں کو حرکت دینا "صلاۃ" کہلاتا ہے،، زکوٰۃ کسی بھی چیز کی نشوونما کا مفہوم ادا کرتی ہے، صوم بمعنی مطلق امساک اور حج بمعنی مطلق قصد ہے، لیکن شریعت نے ان کو خاص اصطلاحی معانی میں ڈھال دیا ہے۔ ان پر مخصوص شروط و قیود کا اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ایک بالکل نئی شکل دے دی ہے، لہٰذا مراد شریعت سے بے نیاز رہ کر ان الفاظ کا مفہوم محض لغت سے متعین نہیں کیا جا سکتا۔[2]

---

① فتح القدیر، شوکانی، ۳/ ۳۱۸۔

② تفصیل کے لیے دیکھیے: مجموع الفتاویٰ، ابن تیمیہ، ۷/ ۲۹۸۔۲۹۹، البلغة فی أصول اللغة، نواب صدیق حسن خان، ص ۳۹۔ ۴۰، محاسن التأویل، قاسمی، ۱/ ۲۵۰۔ ۲۵۴، تفہیم القرآن، مودودی، ۶/ ۱۷۰۔

فصل 7:

تفسیر القرآن بأسباب النزول

قرآن مجید انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس کا ایک حصہ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدا محض ہدایت وارشاد کے لیے اتارا گیا اور زیادہ تر حصہ اسی طرح ہی نازل ہوا ہے۔ ایسا حصہ اپنے آپ میں خود واضح اور مبین ہے، اس کی گہرائی میں اترنے کے لیے وقتِ نزول کے حالات وواقعات پہچاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید کا کچھ حصہ ایسا ہے، جو عہد نبوت کے کسی واقعہ سے مربوط ہے، اس واقعہ کی طرف کہیں اشارہ، کہیں اس واقعہ پر تبصرہ اور کہیں مستقبل کے لیے راہ نمائی موجود ہے اس طرح کی آیات کو کما حقہ سمجھنے کے لیے ان اسباب وعلل اور وقائع وحوادث کا جاننا ضروری ہے، جو ان آیات کے پس منظر میں کارفرما ہیں۔

اس بنا پر جمہور کے اصولِ تفسیر میں اسباب النزول کی ایک خاص اہمیت ہے اور علوم القرآن کی فہرست میں اسے ایک مستقل علم کی حیثیت حاصل ہے۔

امام بخاری کے استاذِ گرامی علی بن المدینی نے اس موضوع پر ایک یادگار تصنیف چھوڑی، الواحدی۔ ① ابن حجر ② اور سیوطی ③ جیسے اصحابِ علم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور مستقل تصنیفات لکھی ہیں۔ ④

---

① الواحدی، متوفی ٤٢٧ھ ان کی کتاب ”أسباب النزول“ مطبوع ہے۔

② ابن حجر العسقلانی، متوفی ٨٢٥ھ، ان کی کتاب، العجاب في بيان الأسباب، ہے۔

③ سیوطی، متوفی ٩١١ھ، ان کی کتاب ”لباب النقول في أسباب النزول“ معروف و متداول ہے۔

④ ملاحظہ ہو: الاتقان، سیوطی، ص٨٤، مناهل العرفان، زرقانی، ١/ ٨٩۔

دیکھنا یہ ہے کہ اسباب النزول کا کیا مفہوم ہے؟ اس کی کس حد تک اہمیت ہے؟ کس طرح کی آیات میں اسباب النزول کا پہچاننا ضروری ہے اور اس حوالے سے اس کی اہمیت کے کیا مراتب ہیں؟ نیز ایک ابدی ودائمی پیغام وحی میں اسباب النزول کیوں اہم ہیں؟

اسباب النزول کی تعریف

”هو ما نزلت الآية أو الأيات متحدثة عنه أو مبينة حكمه أيام وقوعه“①

جس واقعہ کے ایام میں کوئی آیت یا آیات نازل ہوں اور ان میں اس واقعہ کا حکم بیان ہو یا اسے زیر بحث لایا گیا ہو، اسے سبب النزول کہتے ہیں۔

تفسیر قرآن میں اسباب النزول کی اہمیت

تفسیر قرآن میں اسبابِ نزول کی معرفت کس حد تک ضروری ہے؟ اس بارے میں بھی افراط وتفریط ہے، بعض لوگوں کے نزدیک اسباب النزول کی بالکل کوئی اہمیت ہی نہیں، جب کہ بعض دوسرے لوگ ہر ہر آیت کا کوئی نہ کوئی سببِ نزول تلاش کرتے ہیں۔ نہ ملے تو کسی جھوٹے واقعہ، ضعیف ومنکر روایت پر ہی اعتماد کر لیتے ہیں۔②

اسبابِ نزول کی معرفت کیوں ضروری ہے؟

جہاں تک کہ عمومی طور پر اسبابِ نزول کی اہمیت کا نظریہ ہے، سو یہ اصحابِ تفسیر بالمأثور کے نزدیک ایک مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے، بنیادی طور پر اس کی دو وجوہات سامنے آتی ہیں۔

---

① مناهل العرفان، زرقانی، ۱/۸۹۔

② أسباب النزول، واحدی، ص۸ بحواله الاتقان، ص۱۸۹۔ مختلف نقطہ ہائے نظر کی تفصیل کے لیے دیکھیے: شان نزول اور فہم قرآن، نجات اللہ صدیقی، خصوصی اشاعت، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ”قرآنی علوم بیسویں صدی میں“ جنوری ۲۰۰۴ تا دسمبر ۲۰۰۵ء ص ۷۷۔۸۹۔

پہلی وجہ

کلامِ الٰہی اس حوالے سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، بلا شبہ مکان و زمان کی حدود سے بالاتر ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک عالم گیر پیغام ہے، لیکن اس کی عملی تعبیر بہر حال ایک خاص زمانے میں، ایک خاص گروہ کے اندر براہِ راست صاحبِ پیغام کی زیر نگرانی تشکیل پائی ہے۔ اس لحاظ سے کوئی بھی کلام اس وقت تک فصیح وبلیغ نہیں ہوسکتی جب تک اس میں مخاطب کی نفسیات، اس کی ذہنی سطح، اس کی صورت حال کے عملی تقاضے پیش نظر نہ رکھے جائیں۔

اسے ہی علم بلاغت میں "مطابقة الكلام لمقتضى الحال" (کلام کا صورت حال کے مطابق ہونا) کا نام دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی لفظ ایک صورت حال میں ایک معنی دیتا ہے اور وہی لفظ کسی دوسری صورتحال میں یکسر مختلف معنی پیش کر رہا ہوتا ہے۔

علی سبیل المثال: استفہام کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں ان کے معانی میں تغیر وتنوع "مُقْتَضَى الحال" یعنی صورت حال کے تقاضے اور سیاق و سباق سے طے ہوتا ہے، ایک ہی کلمۂ استفہام کہیں استفسار کے لیے ہوتا ہے اور کہیں انکار کے لیے، ایک مقام پر استعجاب کا مفہوم دے رہا ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر زجر وتوبیخ کا۔

اس طرح صیغۂ امر کسی موقع پر اباحت کا مفہوم دیتا ہے اور کہیں فرض و وجوب کا۔

ایک ہی کلمہ اور ایک ہی اسلوب میں معانی کا یہ تغیرّ مقتضی الحال سے سمجھا جاتا ہے، متکلم کا اندازِ کلام اور اشارات، مخاطب کی صورتِ حال اور نفسیات کا فہمِ کلام میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، ظاہر ہے یہ ساری صورت حال خود کلام کے اندر منتقل نہیں ہوتی بلکہ یہ صورت حال نفس کلام سے ایک خارجی اور بیرونی چیز ہوتی ہے۔ اسبابِ نزول درحقیقت مفسرین کی طرف سے مقتضی الحال کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کی ایک اہم کاوش ہے، کیونکہ بعض اجزائے کلام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ اگر قرائن اور مقتضی الحال کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو فہم کلام کی صحیح راہیں معدوم یا محدود ہوسکتی ہیں یا کم ازکم اس کے مخصوص

اجزا پوری طرح واضح نہیں ہو پاتے ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اسباب نزول کی اہمیت پر لکھتے ہیں:

"فهى من المهمات فى فهم الكتاب بلا بد ، و معنى معرفة السبب هو معنٰى معرفة مقتضى الحال وينشأ من هذا الوجه"①

یہ (اسباب نزول) کتابِ الٰہی کے فہم میں اہم حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، سببِ نزول کی پہچان کا مطلب مقتضی الحال کو پہچاننا ہے، اس وجہ سے اس کی اہمیت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

دوسری وجہ

اسبابِ نزول سے عدمِ واقفیت کی بنا پر کئی قسم کے شبہات، اشکالات اور احتمالات پیدا ہوجاتے ہیں، یہی چیزیں اختلاف کا سبب بن جاتی ہیں۔

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان درج ذیل مکالمہ اسبابِ نزول کے اس پہلو کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتا ہے۔

"خلا عمر ذات يوم فجعل يحدث نفسه : كيف تختلف هذه الأمة و نبيها واحد وقبلتها واحدة؟ فقال ابن عباس: يا أمير المومنين ، إنا أُنزل علينا القرآن فقرأناه ، و علمنا فيم نزل ، وإنه سيكون بعدنا أقوام يقرؤن القرآن ولا يدرون فيم نزل، فيكون لهم رأى ، فاذا كان لهم رأى اختلفوا ، فاذا اختلفوا اقتتلوا ، قال: فزجره عمر و انتهره، فانصرف ابن عباس، ونظر عمر فيما قال: فعرفه، فأرسل اليه ، فقال: أعد على ما قلت ؟ فأعاده عليه ، فعرف عمر قوله وأعجبه......"②

① الموافقات، شاطبی، ۳/ ۲٤۱۔

② الموافقات ، شاطبی، ۳/ ۲٤۲۔

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک دن دل ہی دل میں سوچنے لگے: ایک نبی اور ایک قبلے کے ہوتے ہوئے آخر اس امت میں اختلاف کیسے رونما ہوں گے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: امیر المومنین! قرآن ہمارے درمیان اترا، ہم نے اسے پڑھا اور جس صورت حال میں اترا اسے بھی سمجھا، ہمارے بعد آنے والے کئی لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن اسباب نزول کو نہیں جانتے ہوں گے، لہٰذا وہ اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ جب رائے کا اظہار ہوگا (تو آراء مختلف ہو جائیں گی) اور اختلاف رونما ہوگا، جب اختلاف رونما ہوگا تو وہ ایک دوسرے سے لڑیں گے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلائی تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چلے گئے، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلسل ان کی توجیہہ پر غور کرتے رہے، بالآخر ان کے ذہن میں بات آئی، تو انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا بھیجا اور فرمایا: وہی کچھ دوبارہ بیان کرو؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ویسے ہی دہرایا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حقیقت پہچان گئے اور انہیں وہ توجیہہ اچھی لگی۔

② نافع سے ان کے شاگرد بکر نے پوچھا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خارجیوں کے بارے کیا موقف تھا؟ نافع نے جواب دیا:

"يراهم شرار خلق الله، إنهم انطلقوا الى آيات أنزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين"①

وہ انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے، وہ آیات جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، خارجی لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر دیا کرتے تھے۔

③ امام شاطبی نے اس بارے میں کئی شواہد اور واقعات نقل کیے ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لوگ کس کس طرح اسبابِ نزول سے عدم واقفیت کی بنا پر آیاتِ قرآنیہ کی غلط تعبیرات کرتے رہے اور اپنے مفاہیم کشید کرتے رہے۔②

---

① الموافقات: ٣/ ٢٤٢۔

② ایضًا: ٣/ ٢٤١۔٢٤٤۔

اہمیت کے لحاظ سے اسبابِ نزول کی اقسام

اسبابِ نزول کی درج بالا اہمیت اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت ہے، لیکن بہر حال ان کی اہمیت تمام آیاتِ قرآنیہ کے لیے یکساں نہیں ہے اور اسبابِ نزول کی اہمیت کے بارے افراط اور تفریط کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اس فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا کہ کچھ آیات کا فہم اسبابِ نزول کے بغیر ممکن ہی نہیں جبکہ بعض دیگر آیات کے لیے اسبابِ نزول کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس طرح کی آیات کے لیے اسبابِ نزول کا کیا مقام ہے؟ اور اس کی ترتیبی حیثیت کیا ہے؟ اس لحاظ سے اسباب نزول کی درج ذیل پانچ بنیادی اقسام ہیں۔[1]

پہلی قسم

وہ اسبابِ نزول جو مقصود بالذات ہیں اور قرآن مجید میں براہِ راست انہی کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، ظاہر ہے اس طرح کے اسبابِ نزول کو پہچانے بغیر ایسی آیات کی تفسیر ممکن ہی نہیں۔ مثلاً:

واقعۂ افک، غزوۂ بدر، غزوۂ حنین وغیرہ پر قرآن مجید نے تفصیلی تبصرہ پیش کیا ہے، جب تک ان واقعات کی تفصیلات اور پس منظر ایک مفسر کے ذہن میں نہ ہو، ایسی آیات کی صحیح تفسیر نہیں ہو سکے گی۔

دوسری قسم

کچھ اسبابِ نزول ایسے ہیں، جن کی طرف قرآن مجید نے قیدِ واقعی یا شرطِ واقعی کے طور پر واضح اشارہ کیا ہے، ایسی آیات کی بھی صحیح توجیہہ اسبابِ نزول کو پہچانے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اس نوعیت کے شانِ نزول کو اگر مدنظر نہ رکھا جائے تو بعض آیاتِ قرآنیہ کے ایسے مفاہیم بھی اخذ ہو سکتے ہیں، جو احکام ومصالح کے بالکل خلاف ہوں۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التحریر والتنویر، ابن عاشور، ۱/ ۴۷-۵۴، الفوز الکبیر، ص ۴۸- ۵۵۔ یہ اقسام ان دونوں کتابوں سے مستفاد ہیں۔

مثال نمبر 1

سورۂ مائدہ کی آیتِ مبارکہ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ۚ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (المائدہ:۹۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے، پھر پرہیز کیا اور نیکو کاری کی اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ کی ظاہری عبارت سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ ایماندار، نیک اور تقویٰ شعار لوگوں پر کھانے پینے کی کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن یہ مفہوم خلافِ شرع ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے حلال وحرام کی حدود و قیود مقرر کر دی ہیں، ان سے کسی کو مفر نہیں، یہاں شانِ نزول کی معرفت سے آیتِ مبارکہ کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔①

اس کے سبب نزول سے متعلق سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز شراب حرام کی گئی میں اس دن سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں شراب پلا رہا تھا اور شراب صرف انگور، کچی اور پکی ہوئی کھجوروں سے کشید کیا ہوا شیرہ تھا، اسی اثنا میں ایک منادی نے آواز لگائی، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: جاؤ نکل کر دیکھو، میں نے دیکھا تو منادی اعلان پکار رہا تھا: سن لو! شراب حرام کی جا چکی ہے بس اس کے بعد شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ پڑی۔ مجھے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھی باہر جا کر اسے بہادو، سو میں نے بھی بہادی۔ صحابہ نے کہا

① تفسیر الطبری، ۱۰/ ۵۷٦، صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر المائدہ، باب: لیس علی الذین آمنوا جناح فیما طعموا، حدیث ٤٦٢٠، تفسیر ابن کثیر، ۲/ ۱۳۵۔

یا ایک دوسرے سے پوچھا: فلاں، فلاں اور فلاں صحابہ کرام تو شہید ہو چکے شہید ہو چکے ہیں، جبکہ شراب ان کے پیٹوں میں تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ ①

مذکورہ سبب نزول سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ آیت مبارکہ میں صحابہ کے ذہن میں پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کیا گیا ہے۔ جب تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، اس حالت میں شراب پی کر جو صحابہ رضی اللہ عنہم جام شہادت نوش کر چکے یا فوت ہو چکے ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان اور تقوی پر ہوا ہے، شراب نوشی ان اہل ایمان و تقوی کے حق میں اس لیے حرام نہیں کہ اس وقت یہ حرام ہی نہیں کی گئی تھی۔

سببِ نزول کی روشنی میں مفہوم یہ ہوگا کہ اہلِ ایمان اور صالح لوگوں پر بوقت اباحت کسی مباح چیز کو کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ غزوۂ احد میں کئی صحابہ کرام شراب پی کر شریک جہاد ہوئے اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ②

مثال نمبر 2

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾(البقرة:۱۵۸)

''صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لیے بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں کوئی گناہ نہیں، اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔''

صفا و مروہ کی سعی فرض ہے، لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس

---

① صحيح البخاري، كتب المظالم، باب حبّ الخمر في الطريق، حديث ٢٤٦٤۔

② صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب ليس على الذين آمنوا جناح فيما طعموا...... حديث ٤٦٢٠۔

بارے میں استفسار کیا اور کہا: میرے خیال میں توسعی چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"کلا، لوکانت کما تقول کانت: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا"

قطعاً نہیں! اگر آیت کا یہی مفہوم ہوتا جیسے تم کہہ رہے ہو تو یہ آیت اس طرح ہوتی: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا" اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر انہوں نے شانِ نزول بیان کیا اور اس کی روشنی میں صحیح مطلب واضح کیا۔ ①

تیسری قسم

عہد نبوی میں کچھ خاص واقعات پیش آئے، جن پر تفصیلی احکام و مسائل قرآن مجید میں بیان کیے گئے۔ ایسے واقعات بھی مفسرین اسباب النزول کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کے اسباب النزول اگرچہ آیات کی تفسیر میں بنیادی حیثیت نہیں رکھتے، تاہم ان کی معرفت سے تفسیر کے فہم اور تطبیق میں مزید انشراح پیدا ہوتا ہے۔

اس قسم کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں:

"وهذا القسم لا يفيد البحث فيه الا زيادة تفهم فی معنی الآية و تمثيلاً محكماً" ②

اس قسم کی تحقیق کا بس یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آیت کے فہم میں اضافہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے شرعی حکم کی ایک محکم مثال سامنے آجاتی ہے۔

مثال نمبر 1: آیۃ اللعان (النور:٦-١٠) کی تفسیر میں عویمر العجلانی اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ۔ ③

---

① صحيح البخاری، کتاب الحج، باب وجوب الصفا والمروة، حديث ١٦٤٣۔ صحيح مسلم کتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ "ان الصفاء والمروة من شعائر الله" حديث (٤٤٩٥)۔ ② التحرير والتنوير، ابن عاشور، ١/ ٤٨۔

③ تفسير ابن كثير، ٣/ ٢٦٦۔ ٢٦٩۔

مثال نمبر 2: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ﴾ (البقرة:١٩٦) کی تفسیر میں سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔ ①

مثال نمبر 3: آیتِ ظہار (المجادلة:٢-٤) کی تفسیر میں اوس بن صامت کا واقعہ۔ ②

چوتھی قسم

مفسرین کچھ ایسے اسباب النزول کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں، جو حقیقتاً اسباب النزول نہیں ہیں بلکہ آیات کے مصداقات اور امثلہ ہیں۔ اس طرح کے اسباب النزول کی معرفت یا عدم معرفت کا تفسیر پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مثال

① قرآن مجید کے کئی مقامات میں نیک بخت لوگوں اور ان کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے، بعض اسباب النزول میں ان کی تعیین کی گئی ہے۔

② قرآن مجید کے کئی مقامات میں بدبخت لوگوں اور ان کی صفاتِ بد کا تذکرہ ہے، اسباب النزول میں ان کی تحدید و تعیین کی گئی ہے۔

اس طرح کی آیات مبارکہ میں اعمالِ صالحہ اور ان کے عاملین کی مدح و توصیف مقصود ہوتی ہے یا پھر اعمال سیئہ اور ان کے مرتکبین کی تقبیح و تحقیر یا کوئی مخصوص شخص اصلاً مراد ہی نہیں ہوتا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وعلى هذا الأسلوب كثيرا ما يذكر في القرآن العظيم صورتان: صورة سعيد يذكر فيها بعض أوصاف السعادة، وصورة شقي يذكر فيها بعض أوصاف الشقاوة، ويكون الغرض من ذالك بيان أحكام تلك الأوصاف والأعمال لا التعريض بشخص معين“③

---

① دیکھیے، تفسیر ابن کثیر، ١/ ٣٣٠۔ ② ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، ٤/ ٤١٣۔

③ الفوز الكبير، ص ٥٠-٥١۔

اس اسلوب پر قرآن مجید میں بسا اوقات دو کرداروں کا تذکرہ ہوتا ہے، صالح کردار جس میں خوش بختی کی چند علامات اور صفات مذکور ہوتی ہیں، برا کردار جس میں بدبختی کی چند علامات اور صفات بیان کی جاتی ہیں۔ اس کردار کے تذکرے سے ان اوصاف و اعمال کے احکام بیان کرنا بنیادی مقصد ہوتا ہے نہ کہ کسی مخصوص شخصیت کی طرف اشارہ۔

پانچویں قسم

وہ اسباب نزول جو ضعیف اور موضوع روایات پر مبنی ہیں، اس قسم کے اسباب النزول میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأما افراط محمد بن اسحاق، والواقدی ، والکلبی و ما ذکروا تحت کل آیة من قصة فأکثره غیر صحیح عند المحدثین و فی اسناده نظر ۔ ومن الخطأ البین أن یعد ذالك من شروط التفسیر ۔ والذی یری أن تدبر کتاب اللّٰه متوقف علی حفظه فقد فات حظه من کتاب اللّٰه"[1]

محمد بن اسحاق، واقدی اور کلبی کی مبالغہ آمیز روایات اور ہر آیت کے ذیل میں ذکر کردہ واقعات اکثر و بیشتر محدثین کے نزدیک غیر صحیح ہیں اور ان کی اسانید محل نظر ہیں، اس طرح کے اسباب نزول کو شروطِ تفسیر میں شامل کرنا واضح غلطی ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ کتاب الٰہی میں تدبر ان واقعات کو ازبر کرنے پر موقوف ہے یقیناً وہ کتاب الٰہی میں اپنے نصیب سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ضعیف و موضوع اسباب نزول نہ صرف یہ کہ تفسیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان میں الجھنے والا حقیقی تفسیر سے محروم رہ جاتا ہے۔

---

[1] أیضًا۔

فصل: 8

اسرائیلیات

یہودیت کی ایک دینی تہذیب ہے اور عیسائیت کی اپنی مستقل ثقافت، ایک کا سرچشمہ تورات ہے اور دوسری کا سرچشمہ انجیل۔ ظہور اسلام کے بعد بہت سارے یہود و نصاریٰ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے احوال، امم ماضیہ کی اخبار اور کچھ دیگر ایسی چیزیں مذکور ہیں جو تورات و انجیل کا بھی موضوع رہی ہیں۔ قرآن میں ان واقعات کو مجملاً بیان کیا گیا ہے اور تورات و انجیل میں ان کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اہل کتاب جب اسلام میں داخل ہوئے تو اپنی سابقہ ثقافت، معاملات اور انبیاء کے حالات و واقعات جو کتب سابقہ موجود تھے، ہمراہ لیتے آئے۔ یہ لوگ اپنی کتبِ سابقہ اور ثقافتِ دینیہ کی روشنی میں قرآن مجید کے بعض مقامات کی تفصیلات بیان کیا کرتے تھے، اس طرح کی روایات کو تفسیری ادب میں ''اسرائیلیات'' کہا جاتا ہے۔[1]

صحابہ کرام ایسی روایات کے بارے توقف سے کام لیتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے انہیں تعلیم دی گئی تھی: «لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم»[2] ''اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب۔''

بلکہ اگر یہ روایات عقائد و احکام سے متعلق نہ ہوں تو انہیں آگے بھی بیان کر دیتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرما رکھی ہے: «حدثوا عن بني

---

① مباحث فی علوم القرآن، مناع القطان، ص٣٥٤۔ ٣٥٥۔ ② صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا، حدیث(٤٤٨٥)۔

اسرائیل ولا حرج » ①"بنی اسرائیل سے (منقول روایات) بیان کرلیا کرو، کوئی حرج نہیں۔"

عہدِ صحابہ کے بعد یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا رہا اور کتبِ تفسیر بالماثور میں بالخصوص اسرائیلیات کی بھر مار ہوگئی۔ جمہور علماء تفسیر بالماثور کے نزدیک اسرائیلیات کی تحقیق و تنقیح کے بعد تین اقسام ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسرائیلیات کی اقسام

پہلی قسم: وہ روایات ہیں، جن کے مضامین کی صحت اور سچائی قرآن وسنت سے ثابت ہو۔ جیسے توحید اور رسالت محمدی کی تصدیق کرنے والی روایات، ایسی روایات کو استشہاد کے لیے نقل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مفید ہے، لیکن یہ نقل کرنا بطور دلیل نہیں، بلکہ بطور تائید ہے، اس لیے کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ②

دوسری قسم: وہ روایات ہیں، جن کے مضامین کا بطلان اور کذب قرآن وسنت سے ثابت ہو اور وہ واضح طور پر قرآن وسنت کے معارض ہوں، جیسے شان الوہیت، شان رسالت، عصمت انبیاء اور عصمت ملائکہ کے خلاف اسرائیلی خرافات، اس قسم کی روایات کا نقل کرنا، تردید وتکذیب کے لیے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ کفر وشرک اور اباطیل و اکاذیب کی تردید وتکذیب ان کے نقل کے بغیر نہیں کی جاسکتی، اس بنا پر خود قرآن و حدیث میں کفریہ وشرکیہ عقائد نقل کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ان کی تردید کی گئی ہے۔ تردید کے بغیر ایسی خرافات کا نقل کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس طرح جھوٹ کی اشاعت ہوتی ہے جو کہ بجائے خود ایک گناہ ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے اس میں تساہل سے کام لیا ہے، لیکن محقق مفسرین یا تو ایسی خرافات نقل ہی نہیں کرتے یا پھر نقل کر کے ان کی تردید اور تکذیب کرتے ہیں۔ جیسے ابن عطیہ اور ابن کثیر، تاہم بعض مقامات پر ان سے بھی سہو و نسیان ہوگیا ہے۔

① صحیح البخاری: ٣٤٦١۔ ② علوم القرآن، گوہر حمان، ٢/ ٢٠٥۔

تیسری قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی قرآن و سنت میں نہ تصدیق کی گئی ہے اور نہ تکذیب، اس قسم کی روایات میں توقف ہی بہتر ہے، بطور حکایت نقل کرنا جائز ہے۔ کسی خارجی دلیل کی بنیاد پر ایسی روایات کی تصدیق یا تکذیب کی جاسکتی ہے۔①

اسرائیلیات کے بارے دو اہم قاعدے

① صحابۂ کرام سے منقول اسرائیلی روایات کی بھی درج بالا تینوں اقسام اور احکام ہیں۔ صحابہ کرام چونکہ اسرائیلیات کو نقل کرنا مباح سمجھتے تھے، اس لیے صحابی کے نقل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اس کے نزدیک حجت بھی ہے۔②

② مسکوت عنہ (ایسی روایات جن کی تصدیق و تکذیب کے بارے قرآن و سنّت خاموش ہیں) اسرائیلی روایات کو بیان کرنا اور بات ہے اور ان کی روشنی میں تفسیر قرآن پیش کرنا بالکل الگ چیز ہے!

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ اس فرق پر توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان اباحة التحدث عنهم فيما ليس عندنا دليل على صدقه ولا كذبه، شئى، وذكر ذالك فى تفسير القرآن و جعله قولا أو رواية فى معنى الآيات، أو فى تعيين ما لم يعين فيها، أو فى تفصيل ما أجمل فيها شئى آخر!! لأن فى اثبات مثل ذالك بجوار كلام اللّٰه ما يوهم أن هذا الذى لا نعرف صدقه ولا كذبه مبين لمنى قول اللّٰه سبحانه، ومفصل لماأجمل فيه ! و حا شا اللّٰه و كتابه من ذالك۔

وان رسول اللّٰه ﷺ اذ أذن بالتحدث منهم ۔ أمرنا أن لا

① ملاحظہ ہو: مقدمه فى اصول التفسير، ابن تيميه، ص ١٨۔ ١٩، مقدمه تفسير ابن كثير، ١/ ٢٦، فتح البارى، ابن حجر، ٨/ ١٧٠، ١٣/ ٢٩١، ٣٣٣، ٤٩٦، ٥١٦، فتاویٰ ابن تيميه، ٣/ ٣٦٦۔٣٦٧۔ ② قواعد التفسير، السبت: ١/ ١٨١۔

نصدقهم، ولا نكذبهم، فأي تصديق لرواياتهم و أقاويلهم أقوى من أن نقرنها بكتاب اللّٰه، ونضعها منه موضع التفسير، أو البيان؟ اللهم غفرًا"[1]

ایسی اسرائیلی روایات جن کی تصدیق و تکذیب کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، انہیں محض بیان کرنا اور چیز ہے اور انہیں تفسیر قرآن میں ذکر کرنا، آیات کے مفہوم میں ایک قول یا روایت کے طور پر پیش کرنا اور ان کی روشنی میں مبہمات کی تعیین اور مجملات کی تفصیل بیان کرنا بالکل الگ چیز ہے۔

کیونکہ ان اسرائیلی روایات کو کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ رکھنے سے یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ روایات جن کی تصدیق و تکذیب ہمیں معلوم نہیں، کلامِ الٰہی کی وضاحت کر رہی ہیں اور اجمالات کی تفصیل پیش کر رہی ہیں، اللہ اور اس کی کتاب اس سے محفوظ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے بیان کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ہمیں تصدیق و تکذیب نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے بڑھ کر تصدیق کیا ہوگی کہ ہم ان روایات کو کتاب اللہ کے ساتھ لے آئیں اور انہیں تفسیر و تشریح کا درجہ دے دیں؟!

---

[1] نقلا من "قواعد التفسير، السبت" ١/ ١٦٦۔

فصل 9

تفسیر القرآن بالرأی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان بے شمار نعمتوں میں سے عقل ایک بڑی اور اہم نعمت ہے۔ بلکہ یہی وہ بنیادی جوہر اور عظیم عطیہ ربانی ہے، جس کی بدولت انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔

قرآن مجید اپنی آیات مبارکہ میں غور وفکر اور عقل و اجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی بھرپور ترغیب دیتا ہے۔ جس طرح آیات کونیہ میں غور وفکر اور تحقیق سے اسرار فطرت آشکارا ہوتے ہیں، اسی طرح آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر سے شریعت اسلامیہ اور کلام الٰہی کے معارف و دقائق منکشف ہوتے ہیں۔

اس باب میں تفسیر بالرأی المحمود کا معنی و مفہوم، شروط و آداب پر بحث کی گئی ہے۔ اس کی جائز و ناجائز حدود کا تعین کیا گیا ہے، رائے محمود اور رائے مذموم کے درمیان حد فاصل واضح کی گئی ہے، نیز یہ بیان کیا گیا ہے کہ تفسیر قرآن میں عقل و اجتہاد کے لیے کیا شروط و آداب ہیں؟

ثانیاً: تفسیر بالرأی المذموم پر تحقیق پیش کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ تفسیر قرآن میں رائے کا غلط استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے اسباب وعوامل کیا ہوتے ہیں؟ اور ایسی تفسیر کو پہچاننے کی علامات کیا ہیں؟

رائے کا لغوی مفہوم

لغوی طور پر ''الرأی'' باب رأی یری سے مصدر اور حاصلِ مصدر ہے۔ اس باب سے چھ مصادر عربی زبان میں مستعمل ہیں: [1]

---

[1] القاموس المحیط فیروز آبادی، ص ١٦٨٦۔١٦٨٧۔

1- رَأْیٌ 2- رُؤْيَةٌ 3- رِءْيَةٌ
4- رَاءَةٌ 5- رَأْيَةٌ 6- رِئْيَانٌ

اس کی جمع کے لیے بھی چھے اوزان مستعمل ہیں:①

1- آرَاءٌ 2- أَرْءَاءٌ 3- أَرْيٌ
4- رُئِيٌّ 5- رِئِيٌّ 6- رَئِيٌّ

امام لغت فیروز آبادی لکھتے ہیں:"الرؤية: النظر بالعين والقلب"②

آنکھ اور دل سے کسی چیز کو دیکھنا رویت کہلاتا ہے۔

یعنی ظاہری مشاہدہ کے لیے بھی لفظ''رویت'' مستعمل ہے اور قلبی مشاہدہ کے لیے بھی۔ نیز لکھتے ہیں:"الرأی الاعتقاد"عقیدہ ونظریہ کو رائے کہتے ہیں۔③

خواب میں کسی چیز کے مشاہدے کو"رؤیا" کہتے ہیں، جس میں انسان اپنے چہرے کا مشاہدہ کرے اسے"مِرْءَاةٌ" (آئینہ) کہتے ہیں۔④

گویا لغوی طور پر رائے میں مندرجہ ذیل معانی مضمر ہیں:

1- مشاہدہ 2- غور وفکر 3- نظریہ وعقیدہ

رائے کا اصطلاحی مفہوم

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:"هو اعتقاد النفس أحد النقيضين عن غلبة الظن"⑤

دو متناقض چیزوں میں غور وفکر کرنے کے بعد غلبۂ ظن کی بنیاد پر جب نفسِ انسانی میں کوئی نظریہ قائم ہو جائے تو اسے''رائے'' کہتے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"ما يراه القلب بعد فكر و تأمل، طلباً لمعرفة وجه الصواب مما تتعارض فيه الأمارات"⑥

① ایضاً۔ ② ایضاً۔ ③ ایضاً۔ ④ ایضاً۔
⑤ المفردات، ۱/ ۳۲۰۔ ⑥ اعلام الموقعین، ۱/ ٦٦۔

متناقض علامات والی اشیا میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے غور وفکر کرنے کے بعد دل میں جو بات آ جائے اسے رائے کہتے ہیں۔

عقل واجتہاد اور غور وفکر کے ذریعے سے مطالبِ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور انہیں واضح کرنا تفسیر بالرأی ہے۔[1]

تفسیر بالرأی کی اقسام

ماہرین علوم القرآن اس بات پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ تفسیر بالرأی کی دو اقسام ہیں:

① تفسیر بالرأی المحمود

② تفسیر بالرأی المذموم

اگر تفسیری آراء واجتہادات کتاب وسنت، آثار سلف، کلام عرب کے اسالیب اور تفسیر بالرأی کے لیے طے کردہ شروط وآداب کے موافق ہوں تو یہ تفسیر بالرأی المحمود ہے اور اگر تفسیر قوانین لغت، کتاب وسنت، آثار سلف اور شروط وآداب کے منافی ہو تو یہ تفسیر بالرأی المذموم ہے۔[2] اس کے منع وحرام ہونے پر فقہا کا اجماع ہے۔[3]

فہم قرآن میں عقل واجتہاد کی ضرورت واہمیت

① قرآن مجید غور وفکر کی دعوت پیش کرتا ہے

قرآن مجید جہاں تمام انسانوں کے لیے صحیفۂ رشد وہدایت اور دستورِ زندگی ہے، وہاں مضامین ومعانی اور اسرار وحکم کا بحر زخار بھی ہے، جس طرح قدرت کی بنائی ہوئی تمام چیزوں میں غور وفکر کرنے سے جدید انکشافات اور نت نئے منافع وفوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں اور ایک سے ایک پرت کھلتی رہتی ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں غور وفکر کرنے سے بھی نئے نئے حقائق معلوم ہوتے رہیں گے، زمانہ علم وعقل کی خواہ کسی بھی معراج تک

---

① علوم القرآن، گوهر رحمان، ١/ ٣٨١، علوم القرآن، تقی عثمانی، ص ٣٤٣۔

② التفسير والمفسرون ذهبی، ١/ ٢٢٨۔

③ الموسوعة الفقهية الكويتية، حكم تفسير القرآن، ١٣/ ٩٣۔

پہنچ جائے، مگر قرآن مجید ہر مقام معراج پر زندگی کے نئے پیدا شدہ مسائل کی عقدہ کشائی کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے خود قرآن مجید اپنی آیاتِ مبارکات میں غور وفکر اور عقل و اجتہاد کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے، بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾(ص:۲۹)

''ہم نے آپ پر ایک مبارک کتاب نازل کی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں۔''

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾(محمد:۲٤)

''بھلا وہ قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔''

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾(النحل:٤٤)

''اور ہم نے تمہاری طرف قرآن اتارا، تاکہ جو لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے، اسے بیان کردو اور تاکہ لوگ غور وفکر کریں۔''

۲ احادیثِ رسول قرآن مجید میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں

نبی کریم ﷺ قرآن مجید میں غور وفکر کے لیے مؤثر الفاظ میں صحابہ کو شوق دلایا کرتے تھے، مثلاً آپ نے فرمایا:

«ما اجتمع قوم في بيت من بيوت اللّٰه، يتلون كتاب اللّٰه، ويتدارسونه بينهم، إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة وذكرهم اللّٰه فيمن عنده» [1]

---

[1] سنن ابوداوٗد، کتاب الوتر، باب في ثواب قراءة القرآن، حديث ١٤٥٥۔

”جو لوگ کسی جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور باہم مذاکرۂ قرآن کی مجالس قائم کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین اور رحمت اترتی ہے، ملائکہ ان کو ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کے سامنے ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔“

③ صحابہ قرآن مجید میں عقل و اجتہاد اور تدبر سے کام لیتے تھے

صحابہ کرام نے جہاں اپنی زندگیوں کو قرآن کی روشنی میں سنوارا اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت میں تزکیہ و تطہیر کی منزلیں طے کیں، وہاں وہ فہم قرآن اور تدبر فی القرآن میں بھی کوشاں رہتے۔

قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ صحابہ کرام کی زبان بھی عربی تھی، وہ اس کی فصاحت و بلاغت کے رموز سے آشنا تھے، جن حالات و واقعات میں نزولِ قرآن ہوا، اس سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ جن نظریات و عقائد اور اعمال و افعال پر قرآن نے بحث کی وہ زیادہ تر ان کے اپنے تھے، ان کی قوم کے تھے یا ان کی اپنی تاریخ میں گذشتہ اقوام کے تھے، یہود و نصاریٰ کے عقائد و اطوار کی طرف قرآن نے جو اشارے کیے، ان سے بھی وہ گوناگوں تعلقات کی بنا پر آگاہ تھے۔

لیکن اس کے باوجود وہ برسوں قرآن حکیم پر غور و فکر اور تدبر کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسلسل آٹھ برس تک سورۂ بقرہ پر تدبر فرماتے رہے۔[1]

ظاہر ہے یہ اس لیے تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ قرآن میں تبحر حاصل کریں، اسبابِ نزول اور احکام میں نئے نئے استخراج کریں۔

④ تابعین اور تفسیر قرآن میں عقل و اجتہاد

صحابہ کرام کے حلقات دروس سے استفادہ کرنے والے تابعینِ عظام بھی تفسیرِ قرآن میں خوب تحقیق اور عقل و اجتہاد سے کام لیتے۔

---

① مؤطا امام مالك ، بحواله: مقدمة في أصول التفسير، ابن تيمية، ص٦۔

① اس بارے میں امام مجاہد سب سے آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ امام مجاہد نے تفسیر بالماثور میں عقل و اجتہاد کا دروازہ کھولا۔①

نہ صرف وہ خود رائے اور اجتہاد سے کام لیتے بلکہ اس کی ترغیب بھی دیتے۔ ان کا معروف قول ہے: "أفضل العبادة الرأی الحسن"②

اچھے طریقے سے غور وفکر بہترین عبادت ہے۔

اس اجتہادی توسع کی بنا پر ان سے بعض عجیب وغریب اقوال منقول ہیں جن پر ائمہ نے مؤاخذہ بھی کیا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

"لمجاهد أقوال و غرائب فی العلم والتفسیر تستنکر"③

علم و تفسیر میں مجاہد کے بعض اقوال و تفردات منکر سمجھے جاتے ہیں۔

بلکہ امام مجاہد کے ان تفردات سے بعض گمراہ فرقے دلائل پکڑتے ہیں۔

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگرد رشید جناب عکرمہ بھی تفسیر بالرائے سے کام لیتے تھے، بلکہ اس قدر غور وفکر سے کام لیتے تھے کہ فرمایا کرتے:④

"انی لأخرج الی السوق، فأسمع الرجل یتکلم بالکلمة فینفتح لی خمسون بابا من العلم"⑤

میں بازار جا رہا ہوتا ہوں، کسی شخص سے ایک بات سنتا ہوں اور میرے لیے علم کی پچاس راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔"

البتہ ان کی بھی بعض آرا اور تفردات ائمہ کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہیں۔⑥

③ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تابعین کے بارے میں فرماتے ہیں:

"والمقصود أن التابعین تلقوا التفسیر عن الصحابة کما تلقوا

---

① تفسیر التابعین، الخضیری: ١/ ١٣٣۔ ② تأویل مختلف الحدیث، ابن قتیبه، ص٦٩، البدایة والنهایه، ابن کثیر، ٩/ ٢٥٩۔ ③ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ١٥٥۔
④ تفسیر التابعین، الخضیری: ١/ ١٣٤۔ ⑤ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ٥/ ٢٨٨، تهذیب الکمال، مزی، ٢٠/ ٢٧٤ تذکرہ الحفاظ، ذهبی، ١/ ٩٦۔
⑥ الجرح والتعدیل، رازی، ٧/ ٩، هدی الساری، ابن حجر، ص٤٢٧۔

عنهم السنة ، وان كانوا يتكلمون فى بعض ذالك بالاستنباط والاستدلال كما يتكلمون فى بعض السنن بالاستنباط والاستدلال"①

الغرض تابعین نے حدیث کی طرح تفسیر بھی صحابہ سے سیکھی، اگرچہ احکام و مسائل میں استنباط و استدلال کی طرح، تابعین تفسیر میں بھی بعض اوقات استنباط واستدلال سے کام لیتے تھے۔

غور وفکر اور عقل و اجتہاد کی مذکورہ بالا اہمیت کے باوجود تفسیرِ قرآن میں رائے کے استعمال کی مذمت بھی کی گئی۔ اس بارے میں بھی احادیث و آثار اور ائمہ کے اقوال جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔

احادیث میں رائے کی مذمت

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قال فى القرآن برأيه فليتبوا مقعده من النار» ②

''جس کسی نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے کام لیا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

② سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قال فى القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ» ③

① مقدمة فى أصول التفسير، ص۷ -۸۔

② جامع الترمذى، ابواب تفسير القرآن، باب ما جاء فى الذى يفسر القرآن برأيه، حديث (۲۹۵۰)، مسند احمد:۱ /۲۳۳، ۲۶۹، ۳۲۳ المعجم الكبير،طبرانى، حديث(۱۲۳۹۲)،الابانه،ابن بطة، ۷۹۹۔ قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح۔

③ جامع الترمذى، التفسير، باب ما جاء فى الذى يفسر القرآن برأيه حديث (۲۹۵۲) سنن ابى داؤد، كتاب العلم، باب الكلام فى كتاب اللّٰه بغير علم، حديث (۳٦۵۲)، مسند ابى يعلى، ۹۰۱۳، حديث ۱۵۲۰، قال الترمذى، هذا حديث غريب و قد تكلم بعض اهل الحديث فى سهيل ابن ابى حزم۔

''جس نے قرآن مجید میں رائے سے کام لیتے ہوئے کچھ کہا، اگرچہ درست بھی کہا تو بھی اس نے غلطی کی۔''

③ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((ان اللّٰہ لا ینزع العلم من الناس انتزاعا، ولکن یقبض العلماء فیرفع العلم معھم ، ویبقی فی الناس رؤوس جھال، یفتونھم بغیر علم، فیضلون و یضلون))

''اللہ تعالیٰ علم کو انسانوں سے اچانک نہیں اٹھائیں گے، بلکہ علماء فوت ہو جائیں گے، ان کے جانے سے علم بھی رخصت ہو جائے گا اور لوگوں میں جاہل پیشوا باقی رہ جائیں گے، وہ علم کے بغیر فتوی صادر کریں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((فیفتون برأیھم فیضلون و یضلون)) [1]

''وہ اپنی رائے سے فتوی جاری کریں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

صحابۂ کرام اور رائے کی مذمت

① سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أی أرض تقلنی، وأی سماء تظلنی، اذا قلت فی کتاب اللّٰہ برأی أو بما لا أعلم"[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم ، باب کیف یقبض العلم، حدیث، ١٠٠، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر فی ذم الرأی، حدیث ٧٣٠٧، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم و قبضه، حدیث ٦٢٧٣۔

[2] تفسیر طبری، ١ /٧٨ جامع بیان العلم وفضله، ابن عبدالبر، ٢ /٨٣٣، حدیث (١٥٦١)، فتح الباری، ابن حجر، ١٣ /٢٧١، سنن سعید بن منصور، حدیث ٣٩، مصنف ابن ابی شیبه، حدیث (١٠١٥٢)۔ حسن اسناده الشیخ ابو عبیده مشهور بن حسن آل سلمان، اعلام الموقعین، ٢ /١٠٠، حاشیه، نمبر٢۔

زمین کا کون سا قطعہ مجھے پناہ دے گا اور آسمان کا کون سا گوشہ مجھے سایہ فراہم کرے گا، اگر میں کتاب اللہ میں اپنے رائے سے یا بے علمی سے کچھ کہوں۔"

② سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ملہم من اللہ ہونے کے باوجود اپنی رائے کے بارے میں یہ تبصرہ فرماتے:

"یا أیها الناس ان الرأی انما کان من رسول اللّٰه ﷺ مصیباً ان اللّٰه کان یریه ، وانما هو منّا الظن والتکلف" ①

لوگو! بے شک رائے تو رسول اللہ ﷺ ہی کی صائب ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی راہ نمائی فرماتے تھے جبکہ ہماری رائے تو محض ظن اور تکلف پر مبنی ہوتی ہے۔

تابعین عظام اور رائے کی مذمت

① امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ☆

"ما جاء کم به هؤلاء عن أصحاب رسول اللّٰه ﷺ فخذوه وما کان رأیهم فاطرحوه فی الحش" ②

یہ لوگ جو کچھ اصحابِ رسول کے حوالے سے پیش کریں اسے حاصل کرلو اور جو ان کی اپنی آرا ہوں انہیں بیت الخلا میں پھینک دو۔

② ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ان سے مروی ہیں کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا:

"ما حدثوك عن أصحاب رسول اللّٰه ﷺ فخذ به، وما قالوا برأیهم فبل علیه" ③

---

① جامع بیان العلم، ابن عبدالبر: ۲۰۰۰۔

☆ امام شعبی: کبار تابعین میں سے ہیں، اپنی زندگی میں پانچ صد صحابہ کا عہد مبارک پایا۔ مکمل نام عامر بن شراحیل الشعبی ہے۔ ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ (دیکھیے تهذیب الکمال، مزی، ۱۴/ ۲۸ـ ۴۰)

② الاحکام فی أصول الأحکام، ابن حزم، ۶/۵۴ سنن دارمی، ۱ /۶۔

③ مصنف عبدالرزاق، ۱ /۲۶۵، (۲۰۴۷۶)، جامع بیان العلم ، ابن عبدالبر، ۱۴۳۸، صحیح اسناده الشیخ مشهور، (اعلام الموقعین، ۲ /۱۳۸)۔

جو کچھ یہ لوگ تمہیں صحابہ کرام کے حوالے سے بیان کریں وہ حاصل کر لو اور جو محض اپنی رائے سے کہیں اس پر پیشاب کر دو۔"

③ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مازال أمر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأفيهم المولدون [أبناء سبايا الأمم]، فأخذوا فيهم بالرأي، فأضلوهم"①

بنی اسرائیل راہِ اعتدال پر تھے، جب ان میں نو مولود لوگ (دوسری امتوں میں سے قیدیوں کے بیٹے) اٹھے، تو انہوں نے رائے پر عمل کرنے کی طرح ڈالی اور اس طرح ان کو گمراہ کر دیا۔

④ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سب لوگوں کے نام تحریری طور پر حکم نامہ صادر فرمایا:

"انه لا رأى لأحد مع سنة سنها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم"②

بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ سنت کی موجودگی میں کسی کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔

⑤ بعض کبار تابعین فقہ و افتاء میں درجۂ امامت پر پہنچنے کے باوجود تفسیر قرآن میں اظہار رائے سے گریز کرتے تھے، حالانکہ ان کی زبان دانی اور اسالیب عربی سے واقفیت میں بھی کوئی شک نہیں تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں سے سیدنا عطاء☆ بن ابی رباح اس بارے میں بالخصوص معروف ہیں، فقہ و افتاء میں ان کا ایک مقام ہے۔

---

① سنن دارمی، مقدمه، ۱ /۵۰، ابن حزم، الاحکام فی أصول الاحکام، ٦/ ٥٥۔ صحیح اسناده الشیخ مشهور (اعلام الموقعین، ۲ /۱٤۰)۔

② جامع بیان العلم، ابن عبدالبر، ص۷۸۱، حدیث ۱٤٥٦۔

☆ عطاء بن ابی رباح، کبار تابعین میں سے ہیں، دو سو صحابہ کرام کی حیات مبارکہ کو پایا ہے، مکہ کے معروف تابعی فقیہ ہیں۔ (۱۱۵ ھ میں وفات پائی۔ تهذيب الكمال، ۲۰ /۷۷، تهذيب التهذيب، ۷ /۲۰۰، التاريخ الكبير، بخاری، ٦ /٤٦٤)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہل مکہ سے فرمایا کرتے تھے: "تجتمعون علي وعندكم عطاء ؟" ①

تمہارے پاس عطاء موجود ہے اور تم میری طرف چلے آتے ہو؟

لیکن تفسیر قرآن میں رائے دینے سے گریز کرتے تھے۔ عطاء کے شاگرد رشید ابن جریج کے بقول:

"كنت أسأل عطاء عن كل شئي يعجبني، فلما سألته عن البقرة، وآل عمران، أو عن البقرة، قال أعفني هذا، أعفني عن هذا" ②

میں جناب عطاء سے اپنی پسند کی ہر چیز کے بارے پوچھ لیا کرتا تھا، لیکن جب میں ان سے سورۂ بقرۂ اور آل عمران یا سورۂ بقرہ کے بارے پوچھتا تو فرماتے: اس بارے مجھے معاف رکھیے۔ مجھے معاف رکھیے!

④ اس بارے میں دیگر تابعین عظام اور ائمہ سلف سے کثرت کے ساتھ اقوال منقول ہیں۔ معروف تابعی مفسر قتادہ السدوسی☆ بھی تفسیر قرآن میں بالخصوص رائے سے اجتناب کرتے تھے، معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے قتادہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ③

"ما في القرآن آية إلا قد سمعت فيها بشئ" ④

قرآن کی ہر آیت کے بارے میں نے کچھ نہ کچھ سن رکھا ہے۔

ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

---

① تذكرة الحفاظ، ذهبی، ۱/ ۹۸، تهذيب الكمال، مزی، ۲۲/ ۷۷، سیر أعلام النبلاء، ذهبی، ۵/ ۸۱۔ ② العلل، احمد، ۲/ ۱۳۱۔

☆ قتادہ: قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری، صغار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انس کے شاگرد رشید (تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۸/ ۳۵۵) انہوں نے کبار تابعین سعید بن المسیب، حسن بصری، عکرمہ، شعبی، سے استفادہ کیا (تہذیب الکمال، ۲۳/ ۴۹۹)، ۱۱۷ھ میں وفات پائی (تہذیب الکمال، ۲۳/ ۵۱۷)

③ ملاحظه هو، مقدمة في أصول التفسير، ابن تيميه، ۵۰۔۵۵۔

④ جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ما جآء في الذي يفسر القرآن برأيه)۔

”ما قلت برأيي منذ أربعين سنة“①

میں نے گزشتہ چالیس سال سے محض اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا۔

تفسیرِ قرآن میں اکثر کوئی نہ کوئی حدیث پیش کرتے۔ تفسیر طبری میں ان سے منقول تفسیری اقوال میں دوسو پانچ روایات مذکور ہیں۔② اور سو سے زیادہ روایات میں انہوں نے قول صحابی پر اعتماد کیا ہے۔

تفسیر بالرائے کے بارے متضاد اقوال اور ان کی توجیہہ

گزشتہ صفحات سے یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آچکی ہے، کہ احادیث وآثار اور اقوال تابعین میں عقل واجتہاد کی مدح وتعریف بھی ہے اور دیگر احادیث وآثار اور اقوالِ تابعین میں رائے کی خوب مذمت بھی کی گئی ہے۔ اس ظاہری تعارض اور تضاد کو کیسے زائل کیا جاسکتا ہے؟ اور اس بارے میں راہ حق وانصاف اور سبیلِ وسط واعتدال کیا ہے؟ اس کی مختلف توجیہات درج ذیل ہیں:

① ابن الأنباری کی توجیہہ

مشہور نحوی امام و ماہر لغت ابن الأنباری رائے کی مذمت پر ”من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ“ کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حمل بعض اهل العلم هذا الحديث على أن الرأى معنى به الهوى، من قال فى القرآن قولا يوافق هواه، لم يأخذ عن ائمة السلف فأصاب فقد أخطاء، لحكمه على القرآن بما لا يعرف أصله ولا يقف على مذاهب اهل الأثر و النقل فيه“③

بعض اہل علم نے اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ رائے سے خواہش اور

---

① سنن دارمی، ۱/۴۷، الطبقات الكبرىٰ، ابن سعد، ۷/ ۲۲۹، سیر اعلام النبلاء، ذهبی، ۵/ ۲۷۔ ② تفسیر التابعین، الخضیری: ۱/ ۲۵۶۔

③ تفسير القرطبي: ۱/ ۳۳۔

من پسند نظریہ مراد ہے، یعنی قرآن کی ایسی تفسیر جو اپنی خواہش نفس اور نظریہ کے مطابق ہو، ائمہ سلف سے مأخوذ نہ ہو، اگر وہ صحیح ہو تو بھی خطا ہے، کیونکہ اس نے اصل بنیاد کو پہنچانے بغیر قرآن مجید میں رائے زنی کی ہے اور اس نے اس بارے میں منقولات و مأثورات سے واقفیت حاصل نہیں کی۔

امام قرطبی کی توجیہہ

امام قرطبی نے تفسیر بالرائے کی مذمت کو درج ذیل دو صورتوں میں سے ایک پر محمول کیا ہے:[1]

① پہلی صورت یہ ہے کہ کسی معاملے میں آدمی کی خود اپنی ایک رائے ہو، خواہشِ نفس کی بنا پر اس کی طرف طبعی میلان بھی رکھتا ہو، پھر وہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرے تا کہ وہ اپنی غرض کے جواز کے لیے حجت پکڑ سکے، اگر اس کا طبعی میلان اور خواہشِ نفس نہ ہوتی تو خود اس کے سامنے بھی قرآن کا وہ معنی نہ آسکتا۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ظاہری عبارت کو دیکھ کر تفسیر قرآن میں جلد بازی سے کام لے، غرائب قرآن سے متعلق منقول و مسموع روایات کو بالائے طاق رکھ دے...... سو جو شخص بھی ظاہر تفسیر میں پختگی حاصل کیے بغیر محض عربی لغت کی بنیاد پر معانی کا استنباط کرے، وہ کثرت سے غلطیوں کا مرتکب ہوگا اور تفسیر بالرائی کی مذمت میں داخل ہوگا، کیونکہ ظاہری تفسیر میں بنیادی طور پر منقول و مسموع روایات پر تکیہ ضروری ہے تا کہ اغلاط سے بچا جا سکے، اس کے بعد فہم و استنباط میں بڑی وسعت ہے۔

③ امام راغب اصفہانی کی توجیہہ

امام راغب اصفہانی نے افراط وتفریط پر مبنی دو آرا ذکر کی ہیں:[2]

① کچھ لوگ صرف مأثور پر اکتفا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بھی کہنے سے منع کرتے ہیں۔

---

① ایضًا۔ ② مقدمة التفسير، راغب اصفهانی، ص ۱۸۰۔

③ کچھ دیگر ہر ادیب اور زبان سے کچھ واقفیت رکھنے والے کو تفسیر کی اجازت دیتے ہیں۔

اس کے بعد بعض محققین کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وذکر بعض المحققین أن المذھبین ھما الغلو والتقصیر، فمن اقتصر علی المنقول الیه فقد ترك کثیرا مما یحتاج الیه، ومن أجاز لکل أحد الخوض فیه فقد عرضه للتخلیط"①

بعض محققین کہتے ہیں کہ دونوں مذاہب میں ہی غلو و تقصیر اور افراط و تفریط ہے، جو صرف منقول پر ہی اکتفا کرتے ہیں یقیناً تفسیر قرآن میں بہت ضروری اشیا کو ترک کر دیتے ہیں اور جو ہر ایک کو تفسیر میں غوطہ زنی کی اجازت دیتا ہے۔ وہ تفسیر کو حق و باطل میں آمیزش کا باعث بناتا ہے۔ ان کے نزدیک اہل لوگ جو لغت و آثار اور دیگر لوازماتِ تفسیر سے واقف ہوں، اگر تفسیر قرآن پیش کریں تو مذمت سے مستثنیٰ ہیں، بصورتِ دیگر تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

④ ابن عطیہ کی توجیہہ

ابن عطیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومعنی ھذا أن یسأل الرجل عن معنیً فی کتاب اللّٰه عزوجل فیتسور علیه برأیه دون نظر فیما قال العلماء واقتضیتة قوانین العلم کالنحو والأصول...."②

اس کا (تفسیر بالرائے کی مذمت کا) معنی یہ ہے کہ کسی نے کتاب الٰہی کا کوئی مفہوم پوچھا تو وہ جھٹ سے اپنے خیالات کے ذریعے سے اس پر چڑھائی کر دے، یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کرے کہ علماء اس بارے میں کیا کہتے ہیں، نحو و اصول وغیرہ کے قوانین وعلوم کیا تقاضا کرتے ہیں؟

---

① ایضًا، ص ۱۸۰ ـ ۱۸۲ـ

② الجامع الاحکام القرآن، قرطبی، ۱/ ۳۳ـ

⑤ امام ابن تیمیہ کی توجیہہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فأما تفسير القرآن بمجرد الرأى فحرام.....[وذكر أقوال السلف ثم قال]..... فهذه الآثار الصحيحة وماشا كلها عن ائمة السلف محمولة على تحرجهم عن الكلام فى التفسير بما لا علم لهم به، فأما من تكلم بما يعلم من ذالك لغة و شرعاً، فلا حرج عليه ، ولهذا روى عن هؤلاء وغيرهم أقوال فى التفسير، ولا منافاة ، لأنهم تكلموا فيما علموه وسكتوا عما جهلوه وهذا هوالواجب على كل أحد....."①

جہاں تک محض رائے اور خیال کی بنیاد پر تفسیر کا معاملہ ہے سو یہ توحرام ہے۔اس کے بعد امام صاحب نے تفسیر بالرای کی مذمت پر سلف کے اقوال نقل کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:) یہ صحیح آثار اور اس طرح ائمہ سلف کے دیگر اقوال کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ بغیر علم کے تفسیر میں کلام کرنے میں گناہ محسوس کرتے تھے اور بچتے تھے،لیکن جو شخص تفسیر میں لغت اور شرعی علم کی بنیاد پر گفتگو کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلاف اور دیگر بزرگوں سے تفسیری اقوال منقول ہیں، اور اس میں کوئی تعارض والی بات نہیں، کیونکہ جہاں انہیں علم تھا انہوں نے گفتگو کی اور جس چیز کا علم نہیں تھا اس میں سکوت اختیار کیا اور یہی ہر ایک کا فرض بنتا ہے۔

ائمہ سلف کے نزدیک علم سے کیا مراد ہے؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''اسلاف کو جہاں علم تھا وہاں انہوں نے کلام کیا اور جہاں علم نہیں تھا خاموشی اختیار کی۔'' لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہمارے

① مقدمه فى أصول التفسير: ص٥٥۔

اسلاف کے نزدیک لغت ودرایت حقیقی علم نہیں ہے، بلکہ بنیادی طور پر آیات واحادیث اور آثار کو ہی وہ علم سمجھتے تھے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ رائے کی مذمت پر صحابہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

”فهؤلاء من الصحابة: أبوبكر الصديق، و عمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان، و على بن ابى طالب، وعبداللّٰه بن مسعود، وعبداللّٰه بن عباس، وعبداللّٰه بن عمرو زيد بن ثابت، وسهل بن حنيف، ومعاذ بن جبل، و معاوية خال المؤمنين ، وأبو موسىٰ الاشعرى يخرجون الرأى عن العلم ويذمونه و يحذرون منه ، وينهون عن الفتيابه......“ ①

یہ صحابہ کرام سیدنا ابوبکر صدیق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابن مسعود، ابن عباس، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، سہل بن حنیف، معاذ بن جبل، مؤمنین کے ماموں معاویہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم رائے کو علم سے خارج سمجھتے تھے، رائے کی مذمت کرتے، اس سے خبردار کرتے اور اس کی بنیاد پر فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے۔

تجزیہ

اس بارے میں امام غزالی② امام ابن تیمیہ③ امام ابن القیم④ اور امام ابن کثیر⑤ کی بھی یہی رائے ہے۔

درج بالا تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور امت کے نزدیک تفسیر قرآن مجید میں رائے کا استعمال دو قسم کا ہوتا ہے:

① اعلام الموقعين ، ۲ /۱۱۳۔ ② علوم الدين، غزالی، ۱ /۲٦۱۔
③ مقدمه فی أصول التفسير، ۵۰۔ ۵۵۔ ④ اعلام الموقعين:۲ /۷۳۔ ۱۱٦۔
⑤ تفسير ابن كثير، المقدمة۔

① فہم قرآن میں عقل واجتہاد اور غور وفکر سے کام لینا، احادیث وآثار، اقوالِ سلف اور عربی لغت کی اوضاع کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تفسیر بالرأی المحمود ہے۔

② تفسیر قرآن میں محض عربی لغت پر اعتماد کرتے ہوئے یا محض نظریات وخواہشات کی تائید کے لیے احادیث وآثار اور اقوالِ سلف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے رائے کو استعمال کرنا یہ تفسیر بالرأی المذموم ہے۔①

تفسیر بالرأی میں حزم واحتیاط

یقیناً تفسیر بالرأی المحمود کے جواز کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ہر شخص کو تفسیر قرآن میں رائے زنی کی عام اجازت دے دی جائے اور کتاب الٰہی کو منحرفین وجاہلین کے لیے بازیچۂ اطفال بنادیا جائے۔ تفسیر قرآن دیگر علوم کی طرح محض ایک علم ہی نہیں بلکہ یہ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف براہ راست ایک چیز کی نسبت ہے۔ ثابت شدہ شرعی علم اور قوی بنیاد کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا انتہائی احمقانہ جسارت اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس جسارت کو خود باری تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(الأعراف: ۳۳)

’’کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور بغیر علم کے اللہ کے بارے میں کوئی بات کہنے کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو بھی غیر معلوم اشیا میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی اور انہیں علم الٰہی کے حوالے کرنے کا حکم دیا: اللہ تعالیٰ

① ملاحظہ ہو: قواعد التفسیر، السبت، ۱/ ۲۴۲۔ ۲۴۴، فصول فی اصول التفسیر، الطیار: ۴۸۔ ۵۳۔

نے اصحاب کہف کی مدت قیام کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾(الكهف: ۲۲)

''کہہ دو کہ جتنی مدت وہ رہے اسے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔''

اصحاب کہف کی تعداد کے بارے ہدایت فرمائی:

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾(الكهف: ۲۲)

''کہہ دیجئے! میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے۔''

اسی حزم واحتیاط کی بنا پر بعض صحابہ وتابعین تفسیر قرآن میں اپنی رائے دینے سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی، حبر الامۃ، ترجمان القرآن اور دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہونے کے باوجود بعض آیات کی تفسیر میں مطلق سکوت اختیار کرتے تھے۔

ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے:

''أن ابن عباس سئِل عن آية لو سئل عنها بعضكم لقال فيها، فأبى أن يقول فيها''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے پوچھا گیا، لیکن انہوں نے اس بارے میں کچھ کہنے سے انکار کیا، حالانکہ اگر تم میں سے کسی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو ضرور کچھ کہہ دیتا۔

عظیم تابعی سعید بن المسیب سے کسی آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو کہا:

((إنا لا نقول في القرآن شيئًا))[2]

ہم لوگ تفسیر قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔

---

[1] تفسیر الطبری، امام ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۸۔
[2] موطا امام مالك، بحواله تفسير ابن كثير، ۱/ ۲۸۔

بہر حال اس بارے میں صحابہ وتابعین کا طرزعمل بہت معروف ہے۔ جس سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم لوگ عہد نبوی ﷺ کے فیض یاب، قریب ترین اور لغت عرب سے خوب آشنا ہونے کے باوجود تفسیر قرآن میں کس درجہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ [1]

اسی بنا پر علمائے سلف نے تفسیر بالرائی کے لیے کچھ حدود وقیود، اصول وضوابط اور شروط لازمی قرار دی ہیں۔ جو شخص بھی مطلوبہ اہلیت اور اوصاف کے بغیر، یا تفسیر بالرائی کے لیے طے کردہ حدود وقیود کو پیش نظر رکھے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت کرے، اسے علمائے سلف نے درج ذیل حدیث کا مصداق قرار دیا ہے:

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار"[2]

''جو قرآن میں رائے زنی کرے، اسے چاہیے اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے۔''

ذیل میں ماہرین علوم القرآن کے بیانات کی روشنی میں ان شروط کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

تفسیر بالرائی المحمود کے لیے ضروری شروط

امام سیوطی نے الاتقان میں ان شروط کو مفصل ذکر کیا ہے، بعد میں آنے والے ماہرین علوم القرآن نے بھی ان شروط کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان گرامی قدر ہستیوں کی بیان کردہ شروط کا خلاصہ یہ ہے۔ [3]

---

① مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، مقدمہ: ۱/ ۲۷- ۲۸۔

② جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ماجآء فی الذین یفسر القرآن برأیه، حدیث: ۲۹۵۰، قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح وضعفه الألبانی۔

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التبیان فی آداب حملة القرآن، نووی: ۱/۹۷۔ البرهان فی علوم القرآن، زرکشی، النوع الحا دی والأربعون: ۲/ ۱٤٦- ۱٦۰، الاتقان فی علوم القرآن، سیوطی، النوع الثامن والسبعون: ص۸٥٤- ۸٦۰، مباحث فی علوم القرآن، منّاع القطّان: ص۳۲۹- ۳۳۲۔

① صحت اعتقاد

مفسر کے لیے سب سے اہم اور بنیادی شرط صحت عقیدہ ومنہج ہے۔امام سیوطی لکھتے ہیں:

"إن من كان مغموصاً عليه في دينه، لا يُؤتمن على الدنيا، فكيف على الدين! ثم لا يُؤتمن من الدين على الإخبار عن عالم، فكيف يؤتمن في الإخبار عن أسرار الله تعالى"①

جوشخص دینی لحاظ سے معیوب ومکذوب ہو، اس پر تو یقیناً دنیاوی معاملات میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، چہ جائیکہ دینی امور میں، مزید برآں ایسا شخص اگر کسی عالم کے حوالے سے کوئی خبر دے تو قابل اعتبار نہیں ہوگا، اسرار الٰہی کی خبر رسانی میں اس پر کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

② منقول تفسیر پر اعتماد

صحت تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ مفسر کا اولین اعتماد احادیث وآثار اور منقول تفسیر پر ہو۔ ائمہ سلف کی بیان کردہ اس شرط سے یہ بات واضح ہے کہ تفسیر بالرأی سے کام لیتے ہوئے، ایسا کوئی قول اختیار نہیں کیا جاسکتا جس سے احادیث وآثار کی تغلیط وتنقیص لازم آتی ہو۔

③ صحت مقصد واخلاص نیت

تفسیر براہ راست مراد الٰہی کی تبیین وتشریح سے عبارت ہے۔ اس میں نیت کی اصلاح از حد ضروری ہے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے صحیح راہ نمائی اسے ہی حاصل ہوگی جو اس کی ذات بابرکات اور کلام پر انوار سے مخلص ہوگا اور تفسیر کرتے ہوئے دیگر اغراض فاسدہ سے پاک وصاف ہوگا۔

ارشاد رباری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾(العنكبوت: ٢٩: ٦٩)

---

① الاتقان: ص ٨٥٤۔

”جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے۔“

امام زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اعلم أنه لا يحصل للناظر فهم معاني الوحي، ولا يظهر له أسراره، وفي قلبه بدعة أوكبر أوهوى أوحب الدّنيا، أو هو مصرٌّ على ذنب، أوغير متحقق بالإيمان، أوضعيف التحقيق، أويعتمد، على قول مفسّرليس عنده علم، أو راجع إلى معقوله، وهذه كلها حجب ومواقع بعضها أكد من بعض“[1]

جان لیجئے! جس شخص کے دل میں بدعت، تکبر، خواہش نفس، حبِّ دنیا سمائی ہو یا وہ گناہ پر مصر ہو یا اس کا ایمان مشکوک ہو یا تحقیق میں کمزور ہو یا کسی بے علم مفسّر کے قول پر اعتماد کرنے والا ہو، یا محض اپنی عقل کو سب کچھ سمجھتا ہو تو یہ سب ایسی رکاوٹیں اور موانع ہیں کہ ان سے متصف شخص کو مفاہیم وحی کا علم حاصل ہو سکتا ہے نہ اس پر وحی کے اسرار و رموز ہی منکشف ہوتے ہیں۔

مفسّر کے لیے ضروری علوم

جو مفسّر صرف احادیث و آثار پر اکتفا نہ کرنا چاہتا ہو بلکہ اپنے فکر و فہم اور عقل و اجتہاد کو وسعت دیتے ہوئے قرآنی حقائق و معارف میں غوطہ زن ہو کر نئے نئے گوہر تلاش کرنا چاہتا ہو، تو ایسے مفسّر کے لیے بالخصوص چند ایسے بنیادی علوم سے واقف ہونا ضروری ہو جو اسے تفسیری اخطاء و انحرافات سے بچا سکیں۔

وہ علوم کون سے ہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء درج ذیل پندرہ علوم کی فہرست پیش کرتے ہیں:[2]

---

[1] البرهان: ٢/ ١٨٠- ١٨١۔ [2] ملاحظہ ہو: التّيسير في قواعد علم التفسير، كافيجي: ص١٤٤، الاتقان، سيوطي: ٨٦٥، ٨٦٦، التفسير والمفسرون، ذهبي: ١/ ٢٣٢-٢٣١، دراسات في مناهج المفسّرين د۔ ابوعمرنادي، أستاذ التفسير، جامعة اسلاميه مدينه منوره، ص٥٦١

① علم لغت
② علم نحو
③ علم اشتقاق
④ علم تعریف

کیونکہ مفردات و کلمات کی تشریح وجوہ اعراب و معانی کی پہچان، درج بالا ایک ہی لفظ کے مختلف اشتقاقات و تعریفات کی معرفت علوم پر منحصر ہے۔

⑤، ⑥، ⑦ بلاغت کے علوم ثلاثہ معانی، بیان اور بدیع، کیونکہ کلام الٰہی میں سربستہ معانی کا حسن و جمال اور اسالیب و تعبیرات کی فصاحت علوم بلاغت سے ہی منکشف ہوسکتی ہے۔

⑧ علم قراءت، اس کی روشنی میں نطق و کلام کی پہچان ہوتی ہے اور بسا اوقات تفسیری اختلاف کی صورت میں قراءت ایک اہم وجہ ترجیح ہوتی ہے۔

⑨ علم العقائد، اس کی بنیاد پر آیات عقیدہ وصفات کی صحیح وضاحت ممکن ہے۔

⑩ علم اصول فقہ، اس علم کی روشنی میں اجمال و تفصیل، عموم وخصوص، اطلاق وتقیید، اوامر ونواہی وغیرہ کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے۔

⑪ علم اسباب النزول، کیونکہ اس سے کئی آیات مبارکہ کا پس منظر سامنے آتا ہے۔ جس سے مفہوم مزید کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

⑫ علم القصص، اس سے قرآنی واقعات کی تشریح میں آسانی ہوتی ہے۔ اسے ہم علم تاریخ کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

⑬ علم الناسخ والمنسوخ

⑭ علم السنن، احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کا علم، ظاہر ہے قرآن مجید کے فہم میں یہ اولین اہمیت کا حامل ہے اس اعتبار سے کہ وہی اس کلام مبین کے اولینِ مخاطب اور اولین ناقلین ہیں یعنی عینی شاہد ہیں، اس کے احکام ومسائل کی چلتی پھرتی تصویر اور اس کے حقائق ومعارف کی خوبصورت تعبیر ہیں۔

⑮ علم الموھبۃ، یعنی فطری صلاحیت، تقویٰ وللّٰھیت اور ذہانت وفطانت درج بالا تمام علوم کے لیے خشیت اول اور بنیاد ہے۔

تجزیہ

درج بالا فہرست میں علم الفقہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ آیات اور احکام کا صحیح فہم اس کے بغیر محال ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذکورہ علوم فہم قرآن میں مختلف درجات کے حامل ہیں کچھ زیادہ اہم ہیں اور کچھ کم، نیز کسی موقع پر ایک علم کی زیادہ ضرورت ہے تو دوسرے مقام پر کسی دوسرے کی، یعنی ان علوم کی اہمیت مضامین قرآن مجید اور کلام الٰہی کے محتویات پر منحصر ہے۔ البتہ علوم عربیہ کی اہمیت بہر طور مسلّم ہے۔

مزید غور کیا جائے تو واضح دکھائی دیتا ہے کہ تفسیر قرآن میں مذکور علوم کی فہرست میں تاریخی لحاظ سے بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ مثلاً عہد نبوی میں صحابہ کے لیے اور طرح کے مصادر وماٰخذ درکار تھے اور عہد تابعین میں سابقہ مصادر وماٰخذ کے ساتھ اقوال صحابہ کا بھی اضافہ ہوگیا، اس طرح چلتے چلتے عصر حاضر میں قرآنی تاریخ وقصص کی تحقیق میں علم آثار قدیمہ اور آفاق ونفس سے متعلقہ آیات کی تفہیم میں جدید حاصل شدہ بنیادی معلومات بھی بہر حال مفصل تشریح وتعبیر میں معاون ہیں۔ اسی طرح عہد صحابہ وتابعین میں امم سابقہ کے واقعات کی تشریح میں اسرائیلی روایات سے استفادہ کیا جاتا تھا، جبکہ بعض جدید مفسّرین نے براہ راست بائبل کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ بالخصوص برصغیر کے تفسیری ادب میں تفہیم القرآن، تفسیر حقانی اور تفسیر تدبر قرآن میں بالخصوص یہ اسلوب استعمال کیا گیا ہے۔

ایک اور حوالے سے اگر دیکھا جائے تو مذکورہ علوم میں سے ہر علم ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے اس وقت ایک باقاعدہ اور منظم مستقل علم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، ان میں کسی ایک علم میں بھی بیک وقت مہارت تامہ حاصل کرنا ناممکن نہیں تو کم از کم انتہائی مشکل ضرور ہے۔ اس بنا پر ایک مفسّر کے لیے ان میں اتنا ادراک کافی ہے، جس قدر فہم قرآن میں معاون ہو۔

نیز مذکورہ بالا علوم کو اگر بالاختصار، ایک دوسرے میں تداخل و انضمام کے حوالے سے دیکھا جائے تو درج ذیل بنیادی پانچ علوم ہی ایک مفسّر کے لیے ضروری قرار پاتے ہیں:

① علوم عربیّت ② علم عقیدہ
③ علم فقہ و اصول فقہ ④ علم تاریخ و امم ماضیہ
⑤ علم حدیث

امام سیوطی کا آخری بیان کردہ علم ہر میدان کے لیے بدیہی وفطری تقاضا ہے، یہ کوئی کسبی و اختیاری علم نہیں، بلکہ محض توفیق الٰہی، الہام ربّانی اور خداداد فطری صلاحیت ہے، یہ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر چاہے نصیب فرمادے۔

تفسیر بالرأی المحمود کی نمائندہ تفاسیر

اس موضوع کے اختتام سے پہلے مناسب ہوگا کہ تفسیر بالرأی المحمود کی چند نمائندہ تفاسیر کے نام ذکر کر دیے جائیں۔

① مفاتيح الغيب، امام رازی①
② أنوار التنزيل وأسرار التأويل، قاضی بیضاوی②
③ مدارك التنزيل و حقائق التأويل، النسفی③

اردو زبان میں مولانا ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی، مولانا عبدلماجد کی تفسیر ماجدی، مولانا عبدالحق حقانی کی تفسیر حقانی بھی مؤلف کے نزدیک تفسیر بالرأی المحمود سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ بات البتہ ضرور قابل ذکر ہے کہ کسی تفسیر کو ''تفسیر بالرأی المحمود'' میں شمار کرنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ اس میں موجود تمام آرا واقوال اور اجتہادات صائب ہیں، کیونکہ مفسر بحیثیت انسان بہر حال خطا و نسیان کا پُتلا ہے۔ اس کی بیان کردہ تفسیری آرا میں خطا کا امکان پوری طرح موجود رہتا ہے۔

---

① المتوفی: ٦٠٦ھ۔ ② المتوفی: ٦٨٥ھ۔ ③ المتوفی: ٧١٠ھ۔
(مذکورہ تفاسیر کے تفصیلی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، ذھبی، ١/ ٢٢١- ٣٠٨)

فصل: 10

تفسیر القرآن بالرأی المذموم

تفسیر بالرأی میں ایک مفسّر کا زیادہ تر انحصار اپنی ذاتی قابلیت، عقل و اجتہاد اور علمی و فکری رجحانات پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ میدان ایک طرف پر کشش، عصری معلومات سے بھرپور اور دلکش ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ پر خار، نازک ترین اور حساس بھی ہے۔ جو مفسّرین اس کی نزاکتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، شروط و آداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس منہج تفسیر میں کود پڑتے ہیں وہ خود تو گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کے لیے بھی انحراف و ضلال کا باعث بنتے ہیں۔ اس طریقۂ تفسیر کو ''تفسیر بالرأی المذموم'' کہا جاتا ہے۔ اس عنوان کے تحت یہ واضح کیا جائے گا کہ تفسیر بالرأی میں غلطی، گمراہی اور انحراف کے بنیادی عوامل کیا ہوتے ہیں؟ اور ایسے مفسّرین کا طریقۂ واردات کیا ہوتا ہے؟

خیر القرون میں بھی شاذ تفسیری اقوال اور جزوی تفردات موجود تھے، لیکن ایک مستقل مکتب فکر اور منہج کے طور پر ''تفسیر بالرأی المذموم'' کا آغاز فرقہ معتزلہ کے ظہور سے ہوا۔

اس بنا پر ''تفسیر بالرأی المذموم'' کا صحیح منظر جاننے کے لیے سب سے پہلے مختصراً اس فرقے کا تعارف دیا گیا ہے۔ پھر ان کے اصول تفسیر بتائے گئے ہیں جو کہ حقیقت میں اصول نہیں، بلکہ ان کے خود ساختہ باطل نظریات ہیں جن کی بنیاد پر انہوں نے تفسیر قرآن پیش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید دور میں بھی تفسیر بالرأی المذموم کے پیچھے تقریباً وہی قدیم معتزلہ والے نظریات اور وہی اسباب و عوامل کارفرما ہیں۔

تفسیر بالرأی المذموم کی حقیقت

''مخصوص نظریات کو محض اپنی پسند یا عقل کے مطابق اپنا لینا، پھر تفسیر قرآن سے انہیں ثابت کرنا اور معارض آیات کی معنوی تحریف کرنا۔''①

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے اسے ''اللون الالحادی'' کا نام دیا ہے۔② جب کہ جامعہ ازہر کے استاذ تفسیر ڈاکٹر ابو عمر نادی بن محمود حسن الازہری نے اس مکتب فکر کو ''منہج المبتدعة و الملحدین'' سے تعبیر کیا ہے۔ اسے راقم نے اپنے اصل مقالہ میں عقل پرست انحرافی مکتب فکر کا نام دیا ہے۔③

تفسیر بالرأی المذموم کا تاریخی پس منظر

عہد رسالت مآب ﷺ سے لے کر عصر حاضر تک مسلمان کتاب الٰہی میں غور وفکر کرتے آئے ہیں۔ سلف صالحین کے عہد مبارک میں یہ تدبر قرآن نصوص شرعیہ کے ماتحت تھا۔ اس لیے عہد صحابہ وتابعین بلکہ تبع تابعین کے دورِ مسعود میں بھی تفسیر قرآن کا دائرہ قرآن وسنت اقوالِ صحابہ وتابعین اور پھر رائے محمود تک آ کر رک جاتا تھا۔ اگر چہ ان ادوار میں بھی شاذ تفسیری اقوال اور جزوی تفردات موجود ہیں، لیکن ایک مستقل منہج اور مکتب فکر کے طور پر ''رائے مذموم'' منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد امت میں مختلف فرقے ظاہر ہوئے اور ہر فرقے نے اپنے خاص نظریے کی تائید میں آیت قرآنی کا سہارا لیا اور اس غرض کے پیش نظر بعض قرآنی آیات کے مفاہیم میں شرع سے دور تاویلات اور لغت سے ہٹی ہوئی رکیک توجیہات پیش کیں۔ یہاں تک کہ قرآن مجید ''متبوع'' کی بجائے ''تابع'' نظر آنے لگا۔④

---

① یہ تعریف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے افادات سے مستنبط ہے۔ ملاحظہ ہو: مقدمة فی اصول التفسیر، ص ۳۵ - ۳۶۔ ② التفسیر و المفسرون، ۲/ ۳۵۲۔ ③ مناهج التفسیر عند المبتدعة والملحدین، دکتور ابو عمر نادی، ص ۱۶ -۱۷۔ ④ دیکھیے: مجموع الفتاوی،ابن تیمیه، ۱۳/ ۷۳، الفرق بین الفرق، البغدادی، ص ۲۷۔

یوں تو قرآن کریم کی تحریف معنوی میں خوارج، مرجیہ، قدریہ، جہمیہ اور دیگر تمام بدعتی فرقوں نے حصہ لیا، لیکن معتزلہ ان سب سے آگے اور بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[1] ان کی فصاحت بیانی، طلاقتِ لسانی، تصنیفی مہارت اور تفسیرات نے اسے ایک منظم مکتبِ تفسیر بنا دیا۔

فرقۂ معتزلہ کا ظہور

فرقۂ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء ہے (80 تا 132ھ) یہ امام حسن بصری کے معروف و مقرب تلامذہ میں سے تھا، ایک روز امام حسن بصری کے حلقۂ درس میں مرتکبِ کبیرہ پر گفتگو ہو رہی تھی، اس نے امام صاحب سے اختلاف رائے کیا اور کہا: مرتکب کبیرہ نہ مؤمن ہے اور نہ کافر، پھر ان سے الگ ہو گیا اور اپنی الگ مجلس میں اس رائے کے دلائل دیتے ہوئے کہنے لگا:

"ان مرتكب الكبيرة ليس بمؤمن ولا كافر، بل هو في منزلة بين المنزلتين"

مرتکب کبیرہ مؤمن بھی نہیں ہے اور کافر بھی نہیں، بلکہ وہ ان دونوں مرتبوں کے درمیان ایک الگ مرتبے کا حامل ہے۔

اس پر امام حسن بصری نے فرمایا:

"اعتزل عنا واصل"

واصل نے ہم سے راہِ اعتزال اختیار کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس بنیاد پر ان کا نام ''معتزلہ'' پڑا۔[2]

---

① قال ابن تيمية عن المعتزلة: انهم من أعظم الناس كلاما وجدالا ، وقد صنفوا تفاسير على أصول مذهبهم مقدمة في أصول التفسير، ص ٣٧۔

② ميزان الاعتدال، ذهبي، ٤/٣٢٩، لسان الميزان، ابن حجر، ٢/ ٣٣، ٦/ ٢١٤، وفيات الأعيان، ابن خلكان، ٢/ ٢٢٤، الملل والنحل، الشهرستاني، ١/ ٢٢۔

معتزلہ چونکہ تقدیر کے منکر ہیں، اس لیے انہیں ''قدریہ'' فرقہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''القدریہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ فرقہ جہمیہ خلقِ قرآن کا قائل ہے اور معتزلہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں، اس لیے انہیں ''جہمیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ معتزلہ صفاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں، اس بنا پر انہیں ''معطلہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن معتزلہ اپنے لیے یہ نام پسند نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے آپ کو ''اهل العدل والتوحيد'' کہتے ہیں۔ ①

قدیم فرقۂ معتزلہ

معتزلہ کے تفسیری اصول ان کے خود ساختہ عقائد ونظریات کے تابع تھے، اس لیے مختصراً ان کے عقائد کو جاننا ضروری ہے، معتزلہ کے بنیادی عقائد پانچ ہیں: ②

① توحید

② عدل

③ وعدہ ووعید

④ منزلة بين المنزلتين

⑤ أمر بالمعروف و نهى عن المنكر

① توحید

معتزلہ کے نزدیک توحید سے مراد صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار، ذات کا اثبات اور عقیدۂ خلق قرآن کا اظہار ہے، معتزلہ کے نزدیک ان میں سے کسی بھی عقیدہ کا منکر کافر ہے۔ ③

---

① منهج المدرسة العقلية الحديثة فى التفسير، د۔ فهد الرومى أستاذ الدراستا القرآنية، كلية المعلمين، الرياض، ١/٤٣، مناهج التفسير عند المبتدعة والملحدين، د۔ ابو عمر نادى، (أستاذ التفسير بجامعة الأزهر)، ص٦٣)

② شرح الأصول الخمسة، قاضى عبدالجبار الهمدانى (متوفى ٤١٥ ھ)، ص١٢٤، (بحواله: منهج المدرسة العقلية الحديثه، د۔ فهد الرومى، ١/ ٤٤)

③ أيضاً۔

② عدل

معتزلہ کے نزدیک عدل کی تعریف یہ ہے:

"العدل ما یقتضیه العقل من الحکمة فهو اصدار الفعل علی وجه الصواب والمصلحة"①

عقل جس حکمت و دانائی کا تقاضا کرے وہی عدل ہے، لہٰذا کسی کام کو عین مصلحت اور صحت کے مطابق بجالانا عدل ہے۔

معتزلہ کے عقیدۂ عدل کے تحت درج ذیل مسائل بالخصوص قابلِ ذکر ہیں:

① عدل کی بنیاد عقل پر ہے، لہٰذا حسن و قبح کا فیصلہ عقل ہی کرے گی۔ شریعت حسن و قبح کا فیصلہ نہیں کرتی، بلکہ کسی بھی چیز میں موجود حسن و قبح کی خبر دیتی ہے۔ نیز عقل کسی فعل میں حسن و قبح بذاتِ خود تخلیق نہیں کرتی، بلکہ اس کا ادراک کرتی ہے۔ اس وجہ سے اگر کسی کو شریعت نہ بھی پہنچے تو وہ بہر حال اپنی عقل کی بنیاد پر مکلف ہے۔②

② اللہ تعالیٰ نے انسان کے افعال تخلیق نہیں کیے، بلکہ انسان خود اپنے افعال کا خالق ہے۔③

③ اللہ تعالیٰ ارادہ شر سے بری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی کافر سے کفر کا اور فاسق سے فسق کا ارادہ نہیں فرماتے۔④

③ وعدہ ووعید

اہل السنہ کے نزدیک وعد سے مراد فعل اوامر پر اللہ تعالیٰ کے وعدہ ہائے ثواب مراد ہیں جو اس نے ازلی طور پر اپنے بندوں سے کر رکھے ہیں اور وعید سے مراد وہ عذاب ہیں جو منہیات کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے گئے ہیں۔

جبکہ معتزلہ کے نزدیک وعدہ اور وعید کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلامِ ازلی سے نہیں بلکہ

---

① الملل والنحل، الشهر ستانی، ١/ ٤٢۔ ② الکشاف، للزمخشری، ٢/ ١٤١۔
③ شرح الأصول الخمسة، قاضی عبدالجبار، ص٣٤٤، بحواله: منهج المدرسة العقلية، فهد الرومی، ١/ ٤٩۔ ④ ایضًا۔

بندے کے فعل سے ہے، خود بندہ اپنے فعل کی بنا پر ثواب وعذاب کا مستحق ہوتا ہے، جب بندہ نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اسے ثواب دے اور جب بندہ برائی کا ارتکاب کرے تو اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے کہ اسے عذاب دے۔ ①

④ منزلة بين المنزلتين

معتزلہ کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ ایمان و کفر کے دونوں مراتب (منزلتین) کے درمیان ایک علیحدہ مقام (منزلہ) کا حامل ہوتا ہے اور وہ مخلد فی النار ہے، اگرچہ اس کا عذاب کافروں کے عذاب سے کم تر ہوگا۔ ②

⑤ امر بالمعروف ونهي عن المنكر

معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف میں نیکی کی تلقین کر دینا کافی ہے، جب کہ نہی عن المنکر میں صرف زبانی روک ٹوک کافی نہیں، بلکہ عملاً روکنا ضروری ہے، چاہے اس کے لیے معاملہ قتال تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ ③

معتزلہ کے نزدیک بنیادی اصول تفسیر

مذکورہ بالا عقائد اور ان کی معروف تفسیرات کی روشنی میں معتزلہ کے بنیادی اصولِ تفسیر درج ذیل ہیں:

پہلا اصول: علم وحکمت کا سرچشمہ عقل ہے نہ کہ نقل

معتزلہ عقل انسانی پر مستحکم ایمان رکھتے ہیں، ان کے نزدیک عقل کے ذریعے سے ہر چیز کا ادراک ممکن ہے۔

---

① ملاحظه هو: الملل و النحل، شهرستانی، ١/ ٤٢، شرح الأصول الخمسة، قاضی عبدالجبار، ص١٢٥۔ ② الملل والنحل، شهرستانی: ١/ ٤٥۔
③ شرح الأصول الخمسة، قاضی عبدالجبار، ص٧٤٤۔٧٤٥۔

معتزلہ کے معروف امام زمخشری عقل کو ''سلطان'' کا لقب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''امش فی دینك تحت رایة السلطان ، ولا تقنع بالروایة عن فلان و فلان''①

اپنے دین میں عقل کے جھنڈے کے نیچے گامزن رہو، فلاں اور فلاں سے روایت پر قناعت نہ کرو۔

دوسرا اصول: مذعومہ عقائد اور عقل کے خلاف ہر چیز کی تأویل یا انکار

معتزلہ اپنے مذعومہ عقائد اور عقل کے خلاف پڑنے والی ہر نص کی تاویل کرتے ہیں۔ چاہے وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث رسول!

اس کی چند ایک واضح مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال: آیاتِ رؤیت کی تأویل

رؤیتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والی تمام آیات کی تاویل کرتے ہیں۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامة: ۲۲۔۲۳) کی تفسیر میں قاضی عبدالجبار ☆ لکھتے ہیں:

اس سے مراد رؤیت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا اس بات کو مستلزم ہے کہ آنکھیں کسی چیز پر مرتکز ہوں اور ارتکاز کسی جسم پر ہی ممکن ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے، لہٰذا اس کی تاویل یہ ہے کہ اپنے رب کے ثواب کو دیکھ رہے ہوں گے۔②

---

① اطواق الذھب فی المواعظ والخطب، للزمخشری، ص۲۸، (مقالہ ۳۷۔

☆ قاضی عبدالجبار: ابوالحسن عبدالجبار بن احمد الھمدانی، (المعتزلی)۔ معتزلہ کے معروف عالم ہیں۔ عہد بنی بویہ میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ ''متشابہ القرآن'' اور ''تنزیہ المطاعن عن القرآن'' ان کی معروف تصانیف ہیں اور مطبوع ومتداول ہیں۔ ۴۱۵ھ میں فوت ہوئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: مقدمہ تحقیق کتاب ''متشابہ القرآن'' للقاضی عبدالجبار، تحقیق: عدنان زرزور، ۱/ ۸)

② تنزیہ القرآن عن المطاعن، القاضی عبدالجبار، ص۴۴۲۔

بعض معتزلہ نے تو اپنے مزعومہ عقیدہ کے پیش نظر ''الی'' کو حرف کی بجائے اسم بتلایا ہے اور اس کا معنی نعمت کیا ہے، کیونکہ ''آلاء'' بمعنی نعمت قرآن مجید میں مستعمل ہے اور اس پر شعری شواہد پیش کیے ہیں۔ ①

دوسری مثال: ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا﴾

معتزلہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کو تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا ان کے نزدیک قرآن مجید کی قراءت متواترہ سے صرفِ نظر سورۃ النساء (۱۶۴) کی آیت میں لفظ جلالہ ''اللہ'' مرفوع نہیں، بلکہ منصوب ہے اور مفعول بہ ہے، جب کہ ''موسیٰ'' فاعل ہے، اور آیت کا معنی یہ ہے: ''کہ موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔''

بعض دیگر معتزلہ کے نزدیک ''کَلَّمَ'' کلام سے ماخوذ نہیں، بلکہ ''کَلِمَ'' سے ماخوذ ہے یعنی خوب آزمایا اور مختلف ابتلاء و مِحَنْ میں مبتلا رکھا۔

البتہ معتزلہ کے امام زمخشری اس دوسری تاویل کو ناپسند کرتے ہیں اور پہلی کو تسلیم کرتے ہیں۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تفسیر کا بنیادی اصول ''عقل پرستی'' ہے اور ان عقائد کا اثبات ہر صورت ضروری ہے جو عقل کی بنیاد پر ثابت ہو چکے ہیں۔

اس بارے میں ڈاکٹر فہد الرومی لکھتے ہیں:

''كان من أصول منهجهم في التفسير تحكيم العقل في الأمور الغيبيّة تحكيما مطلقا ، فأنكروا حقائق كثيرة أثبتها اهل السنة استنادا الى النصوص ، فأنكرها المعتزله استناد الى العقل المجرد''②

غیبیات میں عقل کو مطلقاً حاکم قرار دینا معتزلہ کے تفسیری منہج کا ایک اصول رہا ہے، اس بنیاد پر معتزلہ نے بہت سے ایسے حقائق کا انکار کیا ہے، جو اہل السنۃ

---

① أمالي الشريف المرتضىٰ، ص۳۶۔ ۳۷۔

② منهج المدرسة العقلية، فهد الرومي، ۱/ ۶۲۔

کے نزدیک نصوص شرعیہ کی بنیاد پر ثابت شدہ تھے، لیکن انہوں نے محض عقل کی بنیاد پر ان کا انکار کیا ہے۔

تیسرا اصول: احادیث و آثارِ صحابہ کو عقل کی بنیاد پر قبول ورد کرنا

احادیث و آثارِ صحابہ کے بارے میں معتزلہ عجیب موقف رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان کی اپنی ''عقل و دانش'' کے مطابق ہو تو قبول کر لیتے ہیں، چاہے وہ حدیث انتہائی ضعیف بلکہ موضوع ہی کیوں نہ ہو اور اگر ''معتزلی سوچ'' کے مخالف ہو تو رد کر دیتے ہیں، چاہے وہ بالاتفاق صحیح ہی ہو۔[1]

بلکہ بعض غالی معتزلہ احادیث و آثار کو صرف رد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ رواۃ صحابہ کی تکذیب اور انہیں استہزا و تحقیر کا نشانہ بنانے سے بھی باز نہیں آتے، بالخصوص جب صحابہ کی مرویات معتزلی عقل یا معتزلی عقائد کے خلاف ہوں۔ جدید دور کے بہت سارے نام نہاد دانشوروں کا بھی بعینہ یہی طرزِ فکر ہے۔[2]

مثال نمبر 1: معجزہ ''شق قمر'' کی احادیث

عہد نبوت میں چاند کا دو ٹکڑے ہونا متواتر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''و هذا أمر متفق عليه بين العلماء أن انشقاق القمر قد وقع في زمان النبي ﷺ، وأنه كان احدى المعجزات الباهرات۔''[3]

تمام علماء کے مابین یہ متفق علیہ حقیقت ہے کہ چاند عہدِ نبوی میں شق ہوا اور یہ عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

---

[1] منهج المدرسة العقلية، ١/ ٦١۔

[2] راقم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں اس طرز تفسیر کا مفصل تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ مقالہ کا باب پنجم اس منہج تفسیر پر مختص ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کے اسباب پیدا فرمائے اور شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

[3] تفسير ابن كثير، ٤/ ٣٣٩۔

امام موصوف کے نزدیک معجزہ شق قمر کے بارے احادیث متواتر ہیں۔ ① سیدنا انس بن مالک، جبیر بن مطعم، ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے صحیح بخاری و مسلم اور جامع ترمذی میں روایات منقول ہیں۔ ②

"انشق القمر علی عهد رسول اللّٰه ﷺ شقين حتى نظروا اليه، فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((اشهدوا)) ③

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا، یہاں تک کہ سب نے دیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب مشاہدہ کرلو۔"

معتزلہ نہ صرف اپنی "عقل" کی بنیاد پر ان متواتر صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں، بلکہ غالی معتزلی نظام نے راویٔ حدیث، صحابیٔ جلیل سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر جرح کرتے ہوئے، یہاں تک کہہ دیا:

"زعم أن القمر انشق و أنه رآه، وهذا من الكذب الذی لا خفاء به" ④

ابن مسعود کا خیال ہے کہ چاند پھٹا اور انہوں نے اسے دیکھا، یہ بلا شبہ واضح جھوٹ ہے۔

مثال نمبر 2: جنات کے بارے میں وارد احادیث

جنات کا وجود، ان کا قرآن سننا اور ایمان لانا قرآنی آیات مبارکہ ⑤ اور صحیح بخاری و

① تفسیر ابن کثیر، ٤/ ٣٣٩۔ ② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، ١/ ٣٤٠ ـ ٣٤٣۔ ③ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین أن يريهم النبی ﷺ آية، فأراهم انشقاق القمر، حدیث(٣٦٣٦)، ص ٦١٠، نیز دیکھیے احادیث: ٣٦٣٧، ٣٦٣٨، ٣٦٣٩، ٣٨، ٦٩، ٤٨٦٥، ٤٨٦٤، ٣٨٧٠، صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقين و أحكامهم، باب انشقاق القمر، حدیث (٢٨٠٠)، ص ١٢٢٠۔
④ تاریخ بغداد، الخطیب البغدادی، ١٢/ ١٧٦۔
⑤ سورة الأحقاف، ٤٦: ٣٢، سورة الجن، ٧٢: ١ـ ١٤۔

مسلم کی متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے۔ ①

معتزلہ کے نامور امام، زمخشری نہ صرف ان احادیث کا انکار کرتے ہیں، بلکہ ان کے مرکزی راوی صحابی جلیل، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے یہ ناروا تبصرہ کرتے ہیں:

"و ان زعم من یدعی رؤیتھم زور و مخرقة"②

جنات کی رؤیت کا دعوی یقیناً جھوٹ اور من گھڑت خیال ہے۔

اردو زبان میں سرسید احمد خان کی "تفسیر القرآن" کا بھی یہی طرز تفسیر ہے۔

ایک اور حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے زمخشری صاحب، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے یہ نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں:

"ما کان لابن عمرو فی سیفیه و مقاتلته بهما علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه ما یشغله عن تسییر هذا الحدیث"③

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے برسر پیکار، اپنی تلواروں میں مصروفیت کے باوجود عبداللہ بن عمرو کو یہ حدیث مشہور کرنے کا موقع کہاں سے مل گیا......!!

اس کے بالکل برعکس اگر کسی ضعیف، موضوع اور من گھڑت حدیث سے ان کے کسی عقیدہ ونظریات کی تائید ہو رہی، تو اس سے استدلال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

چوتھا اصول: تفسیر اسلاف کی تحقیر

قدیم مفسرین، اگرچہ وہ صحابہ یا تابعین اور تبع تابعین ہی کیوں نہ ہوں، معتزلہ کے نزدیک ان کے تفسیری اقوال کی کوئی اہمیت نہیں۔ معروف معتزلی نظام کہتا ہے:

---

① ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حدیث ۷۷۳، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الجهر بالقراء ة فی الصبح والقراءة علی الجن، حدیث (٤٩٩)، ص ۱۸۹ ـ ۱۹۰، تفسیر ابن کثیر، ٤/ ۲۰۸ ـ ۲۱۹۔ ② تفسیر الکشاف، ۲/۷۵ ـ ③ تفسیر الکشاف، ۲/ ۲۹٤۔

"لا تسترسلوا الى كثير من المفسرين و ان نصبوا أنفسهم للعامة و أجابوا فى كل مسألة ، فان كثيرا منهم يقول بغير رواية على غير أساس ، وكلما كان المفسر أغرب عندهم كان أحب اليهم ، وليكن عندكم عكرمة و الكلبى والسدى والضحاك و مقاتل بن سليمان وابوبكر الأصم فى سبيل واحدة ، فكيف أثق بتفسير هم و أسكن الى صوابهم"[1]

اکثر مفسرین کی طرف توجہ نہ دو، اگرچہ انہوں نے اپنے آپ کو عوام کا راہ نما بنا رکھا ہے اور ہر سوال کا جواب دیے جاتے ہیں، کیونکہ زیادہ تر مفسرین بے روایت اور بے بنیاد بات کرتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک مفسر جتنا زیادہ نادر اور عجیب و غریب خیال پیش کرے، انہیں اسی قدر زیادہ محبوب ہوتا ہے، تمہارے نزدیک عکرمہ، کلبی، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان اور ابوبکر الاصم یہ سب یک قلم برابر ہونے چاہییں!! میں ان کی تفسیر پر کیوں کر اعتماد کر سکتا ہوں اور ان کی رائے پر آخر کس طرح مطمئن ہو سکتا ہوں؟

تفاسیر معتزلہ پر بہترین رائے اور تبصرہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تفسیری استدلالات میں غلطی کے اسباب واضح کرتے ہوئے ایک بنیادی سبب یہ ذکر کرتے ہیں:

"قوم اعتقدوا معانى ثم أرادوا حمل ألفاظ القرآن عليها"[2]

کچھ لوگ مخصوص نظریات کے حامل ہوتے ہیں، پھر ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نظریات الفاظِ قرآنی سے ثابت کیے جائیں۔

[1] الحيوان، للجاحظ،١/ ٣٤٣۔

[2] مقدمه فى اصول التفسير، ص٣٥۔

تفسیر بالرأی میں خطا وانحرافات کے اسباب

تفسیر بالرأی چونکہ ایک مفسّر کی ذاتی استعداد و قابلیت، ذہانت و فطانت، حاصلِ مطالعہ اور افکارونظریات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے اس میدان میں بعض ایسے مفسرینِ بھی دکھائی دیتے ہیں جو اپنی رائے دہی میں سابقہ شروط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر ماہرین علوم القرآن اپنی کتب میں انحراف و ضلال کی طرف لے جانے والے اسباب وعوامل کی نشاندہی کرتے اور اسے بالخصوص ایک مستقل موضوع کی حیثیت دیتے ہیں۔ [1]

پہلا سبب: نااہلیت

تفسیر قرآن مجید میں گمراہی کا اولین اور بنیادی سبب نا اہلیّت ہے، تفسیر قرآن کی پرخار اور نازک وادی میں قدم رکھنے کے لیے جس سطح کا تقویٰ و تدیّن اور تعلق باللہ مطلوب ہے، تخلّف و ادبار کے اس عہد میں معدوم نہیں تو قلیل و نادر ضرور ہے۔ جب سرے سے کلام الٰہی میں شان وجلالت اور تعظیم و تقدس کا عنصر ہی پوری طرح دل میں راسخ نہیں ہوگا تو یقیناً تفسیر میں بے احتیاطی لازم آئے گی۔ اس لیے کچھ لوگ اپنی علمیّت اور صلاحیت کے باوجود صالحیّت نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر قرآن کے لیے نا اہل ہوتے ہیں۔

تفسیر قرآن کے لیے زہدوعبادت، اطاعت وتقویٰ، ذکر وتلاوت، تعلق باللہ اورحق پرستی کے جس بے لاگ و بے لوث جذبے کی ضرورت ہے، جب وہی معدوم ہوتو یہ کلام الٰہی جونور مبین ہے۔ ایسے افراد پر اپنے اسرار و معارف منکشف نہیں کرتا۔ جس شخص کی نجی زندگی کذبات، لغویات، شہوات ولذات اور حب عاجلہ سے لبالب بھری ہو، ایسا تاریک دل انسان بھلا قرآن عظیم کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیونکر کرسکتا ہے؟ اس کتاب مبین کا تو یہ اصول اور ضابطہ ہے:

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، اسباب الخطا فی التفسیر، د۔ طاهر محمود، اور قواعد التفسیر، خالد بن عثمان السبت۔

﴿اتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(البقرہ:۲۸۲)

''اور خدا سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔''

اس کتاب ہدایت کا یہ فرمودہ ہے:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ﴾(الأعراف: ۱٤٦)

''جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔''

اس نکتہ سے تفسیر سلف و خلف میں تفاوت و تباین کی بنیاد آشکارا ہو جاتی ہے اور کچھ دیگر صالحیت و صلاحیت دونوں ہی سے محروم عربی زبان کی چند مبادیات اور اردو کی چند تفسیریں پڑھنے کے بعد اس میدان میں کود پڑتے ہیں۔ مولانا تقی عثمانی نے اس طرز عمل پر بڑا خوبصورت اور جامع تبصرہ کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''تفسیر قرآن میں گمراہی کا سب سے پہلا اور سب سے خطرناک سبب یہ ہے کہ انسان اپنی اہلیت و صلاحیت کو دیکھے بغیر قرآن کریم کے معاملے میں رائے زنی شروع کردے، خاص طور سے ہمارے زمانے میں گمراہی کے اس سبب نے بڑی قیامت ڈھائی ہے۔ یہ غلط فہمی عام ہوتی جا رہی ہے کہ صرف عربی زبان پڑھ لینے کے بعد انسان قرآن مجید کا عالم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جس طرح سمجھ میں آئے قرآن کریم کی تفسیر کرسکتا ہے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی علم وفن ایسا نہیں ہے، جس میں محض زبان دانی کے بل پر مہارت پیدا ہوسکتی ہو۔ آج تک کبھی کسی ذی ہوش نے انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ڈاکٹر ہو گیا ہے اور میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر دنیا پر مشقِ ستم کرسکتا ہے، اس طرح کوئی شخص محض انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور نہ قانون کی اعلیٰ کتابیں دیکھ کر ماہر قانون کہلا سکتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے تو یقیناً ساری دنیا اسے احمق اور بے وقوف کہے گی...... جب ان علوم وفنون کا یہ حال ہے تو تفسیرِ قرآن جیسا علم محض عربی زبان سیکھ لینے کی بنا پر آخر کیسے حاصل ہو جائے گا؟''

جدید دور میں بہت سارے عربی زبان و ادب سے جاہل اور کورے ''دانشور'' ریٹائرڈ پروفیسرز، فوجی افسران، صحافی اور دیگر ''ارباب اجتہاد'' نت نئی تفسیریں پیش کرتے رہتے ہیں، ان کی ''انوکھی تاویلات'' سامعہ نواز ہوتی رہتی ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ وھدانا وإیاھم ①

دوسرا سبب: قرآن مجید کو اپنے نظریات کے تابع بنانا

تفسیری بالرائی کے سلسلے میں دوسری سنگین گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن میں پہلے سے کچھ افکار ونظریات طے کر لے اور پھر قرآن مجید کی آیات بینات کو اپنے طے شدہ افکار ونظریات کے تابع بنانے کی فکر کرے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اس گمراہ کن طرز تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قوم اعتقدوا معانی ثمَّ أرادوا حمل الفاظ القرآن علیها، وکان نظرهم إلى المعنٰی أسبق'' ②

کچھ لوگوں چند مفاہیم اپنے ذہنوں میں راسخ کر لیتے ہیں اور پھر الفاظ قرآن سے وہی مفاہیم کشید کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اپنا مخصوص نظریہ ان کی نگاہوں میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔

قدیم وجدید دور میں اہل شرک و ضلال، اہل بدعت اور متجددین جو بھی من مانی تاویلات کرتے ہیں، ان کے پیچھے یہی محرک کارفرما ہوتا ہے۔

تیسرا سبب: معاصر افکار ونظریات سے مرعوبیت

تفسیر قرآنی میں خطاو انحراف کی تیسری بنیادی وجہ معاصر افکار ونظریات اور اپنے وقت کے مروجہ فلسفہ وسائنس سے مرعوبیت ہے۔ یہ بھی درحقیقت دوسرے سبب کا ایک حصہ ہے، جسے امام ابن تیمیہ نے اپنے خوبصوت الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

''هؤلا اعتقدوا رأیا ثم حملوا الفاظ القرآن علیه'' ③

---

① علوم القرآن: ص۳۵۹- ۳۶۹۔ ② مقدمة فی أصول التفسیر،مع شرح الشیخ مساعد الطیار: ص۱۸۳۔ ③ مقدمة فی أصول التفسیر، مع شرح الشیخ مساعد: ص۱۸۳۔

کچھ لوگوں نے مخصوص نظریات قائم کر لیے اور پھر الفاظ قرآنی کو ان پر محمول کیا۔

عہد عباسی سے لے کر آج تک امت اسلامیہ میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے، جس نے اپنے عہد کے رائج علوم و معارف میں خوب پختگی حاصل کی اور آہستہ آہستہ مروجہ علوم و معارف ان کے قوائے فکر ونظر پر کچھ ایسے مسلط ہو گئے کہ وہ ان مقرر کردہ دائروں سے باہر نکل کر دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔ اس کے بعد جب انہوں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا اور اس کی بہت ساری باتیں انہیں اپنے مانوس علوم و معارف اور آئیڈیل فلسفے کے خلاف محسوس ہوئیں تو انہوں نے اس فلسفے کو جھٹلانے کی بجائے قرآن کریم میں تحریف و ترمیم شروع کر دی اور اس کے الفاظ کو کھینچ تان کر اپنے مزعومہ افکار کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔[1]

سید قطب رحمہ اللہ نے اس فکری انحراف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وإنی لأعجب لسذاجة المتحمسين لهذا القرآن، الذين يحاولون أن يضيفوا إليه ماليس منه، وأن يحملوا عليه مالم يقصد إليه، وأن يستخرجوا منه جزئيات فی علوم الطب والكيمياء والفلك وما إليها۔۔۔كأنما ليعظوه بهذا ويكبّروه۔ إن القرآن كتاب كامل فی موضوعه، وموضوعه أضخم من تلك العلوم"[2]

"قرآن سے جذباتی تعلق رکھنے والے ان لوگوں کی سادگی پر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے، یہ لوگ قرآن میں وہ کچھ شامل کرنا چاہتے ہیں جس کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں، یہ قرآن سے وہ کہلوانا چاہتے ہیں جو اس کے مقاصد سے باہر ہے اور یہ لوگ قرآن مجید سے طب، کیمسٹری، فلکیات وغیرہ کی تفصیلات اس

---

[1] ملاحظہ ہو، علوم القرآن، تقی عثمانی: ص ۳۷۳۔

[2] فی ظلال القرآن: ۱/۱۸۱۔

انداز میں کشید کرتے ہیں...... جیسے شاید ان کے استنباطات سے قرآن کی عظمت میں اضافہ ہو رہا ہو! لاریب قرآن مجید اپنے موضوع پر خود ایک کامل دستاویز ہے، اس کا موضوع ان تمام علوم سے کہیں عظیم تر ہے۔

سید قطب نے اس موضوع پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے اس انداز فکر کے تین بنیادی نقصانات بتائے ہیں:

① سب سے پہلا نقصان یہ ہے کہ اس سے احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور بعض لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اصل چیز موجودہ سائنس ہے اور قرآن مجید اس کے تابع جبکہ حقیقت میں قرآن مجید کا اپنا مستقل موضوع ہے اور اس موضوع پر یہ کتاب ہدایت حتمی، قطعی اور یقینی حقائق پر مشتمل ہے، اس کے برعکس سائنسی موضوعات حتمی نہیں ہیں۔

② اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ قرآن مجید کے مقاصد نزول اور اس کے اہداف نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

③ تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ اس طرز فکر کے حامل لوگ بسا اوقات نصوص قرآن میں تکلف وتاویل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ①

ایسے لوگ تفسیر قرآن کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کے لیے تین حربے استعمال کرتے ہیں:

پہلا حربہ: الفاظ قرآن کے اصل مفہوم کو سلب کرنا

ایسے اہل زیغ وضلال کا پہلا طریقۂ واردات یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا معلوم اور طے شدہ مفہوم چونکہ ان کے خود ساختہ عقیدے ونظریے کے مطابق نہیں ہوتا، لہٰذا وہ الفاظ قرآن کی اصل روح ہی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ الفاظ قرآن سے ان کے مزعومہ باطل نظریے پر کوئی زد نہ آنے پائے۔

---

① فی ظلال القرآن: ۱/۱۸۲۔

انحرافی مکتب فکر کے نامور مفسرین نے اس میدان میں خوب ''مہارت'' دکھائی ہے۔
مثال کے طور پر جبریل علیہ السلام کا نام نامی اور اس کے مفہوم سے کون آگاہ نہیں ہوگا۔ ان کا فرشتہ ہونا، معظم و محترم ہونا اہل اسلام کے ہاں ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس سے امت اسلامیہ کا بچہ بچہ واقف ہے۔ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ، آثار تابعین کی روشنی میں یہ حقیقت مسلمہ اور اظہر من الشّمس ہے۔

گزشتہ صدیوں کے تمام صحیح العقیدہ مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرۃ: ۹۷)
''کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے۔''

جبریلِ امین علیہ السلام ہی کو دیگر مقامات قرآنیہ میں ''الروح الامین'' کہا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ (الشعراء: ۱۹۳)
''اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اُترا ہے تمہارے دل پر۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (النحل: ۱۰۲)
''کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں۔''

سر سید احمد خان کا باطل عقیدہ و نظریہ اس سے بالکل جداگانہ ہے، ان کے نزدیک جبریل کو فرشتہ سمجھنا اور ان کے ذریعے سے نزول قرآن کو تسلیم کرنا کم عقلی اور علمائے اسلام کی کوتاہ نظری ہے، جناب لکھتے ہیں:

''علمائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ قرآن جبریل فرشتے نے آنحضرت تک پہنچایا ہے، مگر میرا خاص مذہب یہ ہے کہ ملکۂ نبوت نے جسے روح الأمین سے تعبیر کیا گیا ہے، آنحضرت کے قلب پر القا کیا۔ ①

اسے موصوف نے اپنے اصول تفسیر میں سے ایک اصول شمار کیا ہے، یہاں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل ضلال و بدعت کے ہاں ان کے مزعومہ نظریات و عقائد ہی درحقیقت ان کے اصول ہوتے ہیں اور ان کی تفسیری کاوشیں دراصل اپنے فاسد نظریات کو قرآن کا سہارا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جبریل امین کے بارے میں قرآن کی تصریحات کے باوجود، سرسید بضد ہیں کہ یہ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ علمائے اسلام کا مذہب ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ سرسید ''علماء کے اس مذہب'' کے بارے اپنی تفسیر میں صراحۃً لکھتے ہیں:

''ولاشك أن هذه هفوة ليس لها في الإسلام نصيب نعوذ بالله من ذالك''②

بلا شبہ یہ (جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے نزول قرآن) ایسی فضول بات ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نعوذ باللہ من ذالک۔

اس باطل عقیدے کی بنیاد پر سرسید کے نزدیک جبریل اور الروح الأمین سے مراد ''ملکۂ نبوت'' ہے۔ نیز نبوت و رسالت کوئی عطیۂ خداوندی، انتخابِ الٰہی اور وہبی نوعیت کی چیز نہیں، بلکہ عام ملکاتِ انسانی کی طرح ایک فطری اور طبعی ملکہ ہے۔ ③

اس طرز تفسیر کو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''دلیل اور مدلول میں غلطی'' قرار دیا ہے۔ دلیل میں غلطی سے مراد یہ ہے کہ نص شرعی اس پر دلالت کناں نہیں ہوتی اور مدلول میں غلطی سے مراد یہ ہے کہ وہ خود ساختہ نظریہ بھی درحقیقت غلط ہوتا ہے۔ باطل نظریات

---

① التحرير في اصول التفسير۔

② تفسیر القرآن، سرسید: ص ۳۲۔

③ دیکھئے: تفسیر القرآن، سرسید: ص ۳۰- ۳۲۔

کے حامل ''مفسرین'' اپنے غلط مدلولات ومفاہیم کو غلط انداز میں دلائل وآیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

دوسرا حربہ: الفاظ قرآنی سے غلط مفاہیم کشید کرنا

پہلے طریقۂ تفسیر میں آیات قرآن سے ثابت شدہ نظریات کی تردید وتغلیط مقصود ہوتی ہے تاکہ اہل بدعت وضلال کے باطل نظریات قرآنی آیات کی ضرب کلیمی سے محفوظ رہ سکیں۔ جبکہ دوسرے طریقۂ تفسیر میں بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ باطل نظریات کے لیے قرآن مجید سے تائید حاصل کی جاسکے اور اپنے مخصوص نظریات کو قرآنی نظریہ کا نام دیا جاسکے۔

برصغیر میں انحرافی مکتب فکر کی دوسری نمائندہ شخصیت غلام احمد پرویز نے اپنے خود ساختہ ''قرآنی نظام ربوبیت'' اور ''اشتراکیت'' کو ثابت کرنے کے لیے اپنے منہج تفسیر میں یہی ''فریضہ'' سرانجام دیا ہے۔

یہ طرز تفسیر بھی امام ابن تیمیہ کی تعبیر کی مطابق دلیل اور مدلول دونوں میں غلطی سے بھرپور ہوتا ہے۔

سابقہ ادوار میں قدریہ، جبریہ، معتزلہ، اشاعرہ، جہمیہ اور دیگر اہل بدعت واہل ہوی نے تفسیر قرآن میں یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں۔ جدید دور میں جدید معتزلہ اور عقل پرستوں نے اس طرز تفسیر کو اپنا رکھا ہے۔

تیسرا حربہ: صحیح مفہوم کو بہ تکلف وتصنّع کسی آیت سے ثابت کرنا

بعض دفعہ ایک مفہوم شرعی لحاظ سے معتبر اور مسلّم ہوتا ہے، اس کے اپنے دلائل موجود ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں ہوتا کہ اسے کسی قرآنی آیت سے لازماً ثابت کیا جائے، ایسے ثابت شدہ شرعی مفہوم کو کسی آیت قرآنیہ سے زبردستی کشید کرنا اور اس پر بزور بازو چسپاں کرنا ''صحت فی المدلول اور خطأ'' فی الدلیل کے زمرے میں آتا ہے۔ برصغیر کے

صوفیائے کرام کا تفسیری ادب اور منہج ''التفسیر الاشاری'' کے اکثر افادات اس ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مقامات سلوک و اشارات، زہد وفقر اور تبتل الی اللہ بجا اور مسلّم، لیکن محض اپنے کشوفات اور مقامات سلوک کو صحیح تفسیر کی پرواہ کیے بغیر قرآنی آیات پر چسپاں کرنا اسی قبیل سے ہے۔

اس طرح جدید دور میں بعض سائنسی تحقیقات کے دلدادہ حضرات آیات کو توڑ مروڑ کو ان سائنسی حقائق کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنسی حقائق اپنی جگہ بجا اور مسلّم، لیکن آخر یہ کیوں ضروری ہے کہ انہیں قرآنی آیت سے ثابت کیا جائے، چاہے الفاظ قرآن اس سے انکار کریں اور چاہے ان الفاظ سے کھینچا تانی کرنی پڑے!

صوفیا کی دنیا میں اس کی ایک دلچسپ مثال درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

﴿فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾(البقرہ: ٢٤٩)

''غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے (تو خیر۔ جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا، پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے۔ تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں جو لوگ

یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسااوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ تعالیٰ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں صوفیا کرام لکھتے ہیں کہ یہ دنیا کی مثال ہے۔ نہر سے پینے کا مطلب ہے دنیا میں غرق ہونا، نہر سے نہ پینے کا مفہوم ہے زہدوتقویٰ اور دنیا سے بے اعتنائی و بے رغبتی اور چلو بھرنے سے مراد ہے بقدر حاجت دنیا حاصل کرنا۔

یہ مفہوم یقیناً اپنی جگہ مسلّم ہے اور قابل تحسین، لیکن اسے مذکورہ قرآنی آیت کی تفسیر قرار دینا بہر حال دلیل میں خطا ہونے کی واضح مثال ہے۔[1]

[1] دیکھئے۔ شرح مقدمہ اصول تفسیر لابن تیمیہ، مساعد الطیار: ص۱۹٤۔

فصل: 11

سائنس اور تفسیر قرآن

سائنس اور قرآن مجید ایک نازک موضوع ہے، اس کے متعلق اہل علم میں دو قسم کی آرا پائی جاتی ہیں۔

مؤیدین

کچھ علماء کرام اس کی تائید میں دلائل دیتے ہیں، جن میں سرفہرست امام غزالی کا نام ہے۔
بعض محققین کی رائے کے مطابق پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں اس موضوع (تفسیر قرآن اور جدید علوم پر) مستقلاً علماء نے غور وخوض شروع کیا۔ ①
مؤیدین میں امام غزالی ② متوفی (۵۰۵ھ)، رازی ③ متوفی (۶۰۶ھ)، زرکشی متوفی (۷۹۴ھ) سیوطی متوفی (۹۱۱ھ) کے نام سرفہرست ہیں۔ ④

---

① ملاحظہ ہو: التفسیر،معالم حیاته، أمین الخولی، ص۲۰، التفسیر والمفسرون، محمد حسین الذهبی، ۳/ ۱٤۰، لمحات فی علوم القرآن، محمد الصباغ، ص ۲۰۳، اتجاهات التفسیر فی العصر الراهن، عبدالمجید المحتسب، ص۲٤۷، اتجاهات التفسیر فی القرآن الرابع عشر، فهد الرومی، ۲/ ۵۵۰۔

② امام غزالی نے اپنی تصنیف، جواہر القرآن میں اس پر مستقل لکھا ہے کہ تمام علوم قرآن مجید سے منشعب ہوتے ہیں۔ جواهر القرآن، غزالی، مکتبة الجندی، مصر)۔ اس پر تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، للذهبی،۲/ ۳۳۲، ۳۳۳، اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، فهد الرومی، ۲ / ۵۵٦ ۔ ③ رازی کی تفسیر کبیر ان کے موقف کے لیے شاہد عدل ہے، کیونکہ انہوں نے اس نظریہ کو اپنی تفسیر میں عملاً اختیار کیا ہے۔ ④ زرکشی اور سیوطی کے تائیدی بیانات کے لیے ملاحظہ ہو:اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، فهد الرومی، ۲/۵۵۷۔ ۵۵۸۔

معارضین

کچھ اہل علم اس کے برعکس دلائل دیتے ہیں چنانچہ امام شاطبی متوفی ۷۹۰ھ ① اور امام ابوحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ ② کا نام مخالفین میں سرفہرست ہے۔

جمہور مفسرین کرام اور امام طبری، قرطبی، ابن کثیر و دیگر کبار مفسرین کی تفاسیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے عملی طور پر کم از کم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

معتدل رائے

اس بارے میں متوازن اور معتدل رائے یہ ہے کہ

① قرآن مجید کی سائنسی تفسیر اور سائنسی اعجاز میں فرق کرنا ضروری ہے۔

② قرآن مجید کا سائنسی اعجاز یہ ہے کہ قرآن مجید نے آفاق وانفس، نجوم وکواکب، ارض و سماء، نباتات و اشجار وغیرہ کے بارے میں کئی حقائق تربیتی و روحانی نقطۂ نظر سے پیش کیے ہیں۔ پوری سائنسی تاریخ میں کوئی ثابت شدہ حقیقت قرآنی بیانات کو غلط ثابت نہیں کرسکی اور نہ ہی کرسکتی ہے۔ بلکہ سائنسی ترقی قرآن مجید کے ثابت شدہ حقائق کے کسی پہلو کو مزید نکھارتی اور مبرہن کرتی ہے۔

قرآن مجید کی اس معجزانہ حیثیت پر تمام قدیم و جدید علماء متفق نظر آتے ہیں اور اس بارے میں کوئی مخالف رائے منقول نہیں ہے۔③ یہ سائنسی اعجاز ہے۔

③ سائنسی تفسیر یہ ہے کہ کسی ایجاد، دریافت، سائنسی نظریہ یا تجربہ وغیرہ کے بارے میں رائے دینا کہ یہ نصِ قرآن کا مدلول ہے۔④

④ سائنسی تفسیر کرتے ہوئے اگر درج ذیل شروط پیشِ نظر رکھی جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

---

① ملاحظہ ہو: الاعتصام، للشاطبی۔ ② البحر المحیط ۱/ ۳۴۱۔ ③ معجزة القرآن، محمد متولی الشعراوی، ۲/۲۱۷، اتجاھات التفسیر فی القرن الرابع عشر، ۲/ ۶۰۰۔۶۰۱۔ ④ مناھج البحث فی العقیدہ الاسلامیه فی العصر الحاضر، عبدالرحمان، ص۱۵۸۔ ۱۵۹۔

سائنسی تفسیر کی شروط

① سب سے اہم شرط یہ ہے کہ سائنس یا سائنسی تفسیر کو قرآن مجید کا ہدف ومقصد قرار نہ دیا جائے اور یہ ہمیشہ پیش نظر رہے کہ قرآن مجید بنیادی طور پر نہ سائنس کی کتاب ہے اور نہ ہی سائنس براہ راست اس کا موضوع ہے۔

② قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے، اس کی تعلیمات و بیانات اپنی جگہ اٹل اور ناقابل تغیر وتبدل ہیں۔ اس کے برعکس سائنس جو مطالعۂ قدرت سے عبارت ہے، جو نظریہ پیش کرتی ہے اس میں استقلال و جماؤ نہیں ہوتا، تجربات سے نظریے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تجربہ کرنے سے سائنس دان اپنا ایک نظریہ پیش کرتا ہے، دوسرا سائنسدان آتا ہے اور اپنے جدید تجربات سے اس نظریہ کی تردید کر دیتا ہے۔ سائنسی نظریات غیر اٹل اور تغیر پذیر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں قرآن اور سائنسی نظریے کے درمیان تطابق صحیح نہیں ہوگا اور نہ سائنسی نظریے سے قرآن کے کسی بیان کی تردید کر سکتے ہیں۔

③ قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کے لیے کسی بیان وتائید کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو اس ذاتِ باری کا کلام ہے جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اسے نہ کسی تصدیق کرنے والے کی تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ کسی مؤید کی تائید کی حاجت، اگر کسی سائنسی مشاہدہ اور قرآنی بیان کے درمیان مطابقت پائی جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس سے قرآن کی تائید ہوتی ہے، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس کی طرف قرآن سے اشارہ ملتا ہے، یا قرآنی استنباط سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

④ قرآنی بیان اور سائنسی نظریے یا مشاہدے کے درمیان تطابق نہ پایا جائے تو قرآن کے بیان کی غلط یا دور دراز کی تاویل کرنے کی بجائے انسانی علم وعقل اور مشاہدے کو ناقص سمجھا جائے گا اور یقین کر لیا جائے گا کہ ابھی قرآنی حقیقت تک پہنچنے کے

لیے مزید علم و تحقیق کی ضرورت ہے اور موجودہ علم اسے سمجھنے میں ناکام ہوا ہے۔ ①

⑤ کسی بھی جدید سائنسی نظریے یا جدید سائنسی مشاہدے کو قرآن مجید کا عین مدلول نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس سے خود صاحبِ قرآن، صحابہ کرام اور اسلافِ امت کے فہم قرآن پر حرف آتا ہے اور یہ تمام عرب امیین کے فہم کے بھی منافی ہے۔ نیز قرآن مجید کے بنیادی مقصد نزول کے بھی خلاف ہے۔

مولانا عبدالمالک کاندھلوی لکھتے ہیں

''قرآن نہ ہوائی جہاز اور راکٹوں کی صنعت سکھانے کے لیے نازل ہوا ہے، اور نہ اس کی تعلیم مقصدِ رسالت ہے، بلکہ مقصد وحی اور غرض رسالت تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفوس ہے۔'' ②

سائنسی نظریے کو مدلول قرآن ثابت کرنے کی تردید کرتے ہوئے مولانا عبدالمالک کاندھلوی مزید لکھتے ہیں:

''اگر اور کوئی نقصان سمجھ میں نہیں آتا تو سب سے بڑھ کر یہ نقصان تو سرسری نظر سے ہی معلوم ہو جائے گا اور یہ قباحت لازم آئے گی کہ اس معیار پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی زندگیاں ہی قرآنی مضامین سے بالکل بے تعلق نظر آئیں گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نہ تو کسی مجلس میں ان صنعتی ترقیات کو بیان فرمایا اور نہ ہی صحابہ نے ان کو کبھی ذکر کیا۔ نہ سیدنا ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے یہ مضامین نقل کیے گئے۔''

تو سوچیے کہ اگر ان مضامین کا نام ''علوم القرآن'' قرار دیا جائے، تو کیا یہ لازم نہیں آئے گا کہ علوم القرآن سب سے زیادہ ناواقف یہی حضرات تھے؟ ③

---

① یہ تمام شرائط مولانا عزیز اللہ اعظمی کی بیان کردہ ہیں۔ ملاحظہ ہو: ''سائنس اور مطالعہ قرآن'' عزیز اللہ اعظمی، ماھنامہ دارالعلوم دیو بند، دسمبر، ۱۹۸۵ء ص ۳۱۔ ۳۲

② التحریر فی أصول التفسیر، ص ۹۷۔

③ التحریر فی اصول تفسیر، ص ۹۸۔

مزید لکھتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ خداوند عالم نے بلا وجہ قرآن محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا اور صحابہ کو اس کا اولین مخاطب بنایا۔ اچھا ہوتا لندن کی کسی یونیورسٹی کے فلاسفر پر اترتا۔ "العیاذ باللّٰه ثم العیاذ باللّٰه" بظاہر ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان یہ سوچنے کی بھی جرأت کر سکے۔''

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''جدید تحقیقات اور سائنسی ترقیات کو مقصد کائنات کا دل فریب عنوان دے کر، مضامین قرآن میں داخل کرنے والوں کے طرز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کا موضوع ہی معلوم نہیں۔ قرآن نہ تو فلسفہ ہے اور نہ سائنس کی کوئی کتاب ہے، نہ تاریخ وجغرافیہ ہے وہ تو طب روحانی کی آخری اور بے مثال کتاب ہے، جس میں روحانی امراض کے علاج کو بیان کیا گیا ہے۔''①

⑥ اگر قرآن مجید نے کسی حقیقت کو بیان کیا ہو اور سلف سے تفسیر ثابت شدہ ہو اور جدید سائنس سے اسی تفسیر کے مطابق اس کی مزید تفصیلات یا دقائق وحقائق معلوم ہو جائیں۔ تو ایسی جدید معلومات کو تفسیرِ قرآن میں پیش کرنا، نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔②

اس صورت میں بھی اسے قرآنی آیت کا مدلول نہیں کہا جائے گا، مدلول تو وہی ہے جو آثار واقوال اور لغت سے ثابت شدہ ہے اور پہلے سے معلوم ہے، جدید سائنسی معلومات اس مدلول میں توسیع سمجھی جائیں گی۔③

علی سبیل المثال

① فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ٢) ''اور جس

---

① التحریر فی أصول التفسیر، ص٩٩۔ ② مناهج البحث فی العقیدة الاسلامیه فی العصر الحاضر، د۔عبدالرحمان، ص١٨٥۔١٥٩۔اتجاهات التفسیر، فهد الرومی، ٢/ ٥٩٧۔ ③ اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر، فهد الرومی، ٢/ ٦٠٤۔

نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔‘‘

اس آیت کے مفہوم میں جدید دقیق حقائق تفصیلات بیان کرتے ہوئے جدید سائنسی معلومات بیان کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ مطلوب و محمود ہے۔①

② فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًی ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ﴾(البقرة: ٢٢٢)

اس آیت کی تشریح میں ’’اذی‘‘ کی مزید تفصیل کرتے ہوئے جدید میڈیکل سائنس کی روشنی میں دورانِ حیض مباشرت کے نقصانات وغیرہ بیان کرنا بالکل جائز بلکہ مطلوب ہے۔②

مولانا تقی عثمانی کا جامع تبصرہ

سائنس اور تفسیر قرآن کے حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں مولانا تقی عثمانی کا جامع، پر مغز اور دردمندانہ تبصرہ انہی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔ مولانا تقی عثمانی تفسیر قرآن میں گمراہی کے اسباب میں تیسرا سبب زمانے کے افکار سے مرعوبیت کو قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے جو کچھ انہوں نے اپنے زوردار قلم سے لکھا ہے، سرسید اور ان کے ہم نوا منحرفین کے طرز تفسیر پر ایک بہترین تبصرہ ہے۔ مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں تیسری گمراہی یہ ہے کہ انسان اپنے وقت کے فلسفیانہ اور عقلی نظریات سے ذہنی طور پر مرعوب ہو کر قرآن کریم کی طرف رجوع کرے اور تفسیر قرآن کے معاملے میں ان نظریات کو حق و باطل کا معیار قرار دے دے، یہ گمراہی دراصل دوسری گمراہی کے ذیل میں خود بخود آ جاتی ہے، لیکن چونکہ ہمارے زمانے میں مغربی افکار سے مرعوبیت نے خاص طور سے بڑی قیامت ڈھائی ہے، اس لیے یہاں اس گمراہی کو مستقل طور سے ذکر کیا جا رہا ہے۔

① اتجاهات التفسير، فهد الرومي، ٢/ ٥٩٧۔

② اتجاهات التفسير، فهد الرومي، ٢ / ٦١٨۔

تاریخِ اسلام کے ہر دور میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے، جو قرآن و سنت کے علوم میں پختگی پیدا کیے بغیر اپنے زمانے کے فلسفے کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ فلسفہ ان کے ذہنوں پر ایسا بری طرح مسلط ہو گیا کہ وہ اس کے بتائے ہوئے فکر ونظر کے دائروں سے باہر نکلنے کی صلاحیت سے ہی محروم ہو گئے، اس کے بعد جب انہوں نے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا اور اس کی بہت سی باتیں انہیں اپنے آئیڈیل فلسفے کے خلاف محسوس ہوئیں تو انہوں نے اس فلسفے کو جھٹلانے کے بجائے قرآن کریم میں تحریف و ترمیم شروع کر دی اور اس کے الفاظ کو کھینچ تان کر اپنے فلسفیانہ افکار کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔

جب مسلمانوں میں یونانی فلسفے کا چرچا ہوا اور لوگوں نے قرآن وسنت کے علوم میں پختگی پیدا کیے بغیر اس فلسفے کو حاصل کرنا شروع کیا، تو یہی فتنہ پیش آیا اور بعض لوگ جو یونانی فلسفے سے بری طرح مرعوب ہو گئے تھے، قرآن کریم کو توڑ موڑ کر اس فلسفے کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ ان میں بہت سے لوگ مخلص بھی تھے اور سچے دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یونانی فلسفہ ناقابل تردید ہے اور قرآن وسنت کی متوارث تفسیر اس کے لائے ہوئے فکری سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، اس لیے اس تفسیر کو بدل کر قرآن وسنت کی ایسی تشریح کرنی چاہیے جو یونانی فلسفے کے مطابق ہو، لیکن درحقیقت یہ ان کی قرآن و سنت اور اسلام کے ساتھ ایک نادان دوستی تھی، جس نے اسلام کی کوئی خدمت کرنے کے بجائے مسلمانوں میں نظریاتی انتشار برپا کیا اور معتزلہ اور جہمیہ جیسے بہت سے نئے فرقے پیدا کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پختہ کار علمائے دین جنہیں قرآن وسنت کے علوم میں رسوخ تھا اور جو قرآن وسنت کے مقابلے میں وقت کے کسی چلتے ہوئے نظامِ فکر سے مرعوب نہیں تھے، ان کی ایک بڑی جماعت کو دوسرے کام چھوڑ کر ایسے لوگوں کی تردید میں مصروف ہو جانا پڑا اور انہوں نے یونانی فلسفے کی فکری غلطیوں کی نشان دہی کر کے ایسے لوگوں کی مدلل اور مفصل تردید کی جو اس فلسفے کے اثر سے قرآن وسنت میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے تھے، غرض ایک عرصے تک فکری مباحث اور تصنیف ومناظرہ کا بازار

گرم رہا اور فریقین کی طرف سے اپنے اپنے موقف کی تائید میں پورے کتب خانے تیار ہو گئے۔

پختہ کار علماء دین کا موقف یہ تھا کہ قرآن کریم کسی انسان کی نہیں اس خالقِ کائنات کی کتاب ہے جو اس دنیا اور اس میں ہونے والے واقعات کی رتی رتی سے باخبر ہے اور اس دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے اس سے زیادہ کوئی باخبر نہیں ہو سکتا، لہٰذا قرآن کریم کی تعلیمات اور اس کے بیان کردہ حقائق سدا بہار اور ناقابلِ ترمیم ہیں، جن احکام و قوانین اور نظریات پر زمانے کی تبدیلی اثر انداز ہو سکتی تھی ان کے بارے میں قرآن کریم نے خود کوئی معین بات کہنے کے بجائے ایسے جامع اصول بیان فرما دیے ہیں جو ہر تبدیلی کے موقع پر کام آ سکیں اور ان کی روشنی میں ہر بدلے ہوئے ماحول میں راہ نمائی حاصل کی جا سکے، لیکن جو باتیں قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی ہیں یا جن کی واضح تفسیر رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ زمانے کی تبدیلی سے بدلنے والی باتیں نہیں ہیں۔

فلسفہ اور سائنس کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس کے وہ بیشتر نظریات جو قطعی مشاہدے پر مبنی نہیں ہیں، مختلف زمانوں میں بدلتے رہے ہیں اور جس زمانے میں جو نظریہ رائج رہا وہ لوگوں کے ذہن وفکر پر اس بری طرح چھا گیا کہ لوگ اس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، لیکن جب زمانے کے کسی انقلاب نے اس نظریے کی کایا پلٹی تو وہی نظریہ اتنا بدنام ہوا کہ اس کو منہ سے نکالنا بھی دقیانوسیت کی علامت بن گیا، اب اس کی جگہ کسی نئے نظریے نے ذہنوں پر اپنا سکہ بٹھایا اور اس کی گھن گرج نے ہر مخالف رائے کا گلا گھونٹ دیا، پھر ایک عرصہ گزرنے پر یہ نیا نظریہ بھی اپنی آن بان کھو بیٹھا اور کسی تیسرے نظریے نے اس کی جگہ لے لی، فکر انسان کی تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے اور جب تک حقیقت کی تلاش انسان کو قطعی مشاہدے تک نہیں پہنچا دیتی اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا، اس کے برخلاف قرآن کریم نے جن حقائق کی طرف واضح راہ نمائی فرمائی ہے، وہ چونکہ ایک ایسی ذات کے بیان کیے ہوئے ہیں جس کے سامنے یہ پوری کائنات اور اس میں ہونے والے حوادث ہاتھ کی ہتھیلی سے زیادہ واضح اور

بے غبار ہیں، اس لیے فکر اور فلسفے کی اس آنکھ مچولی کو اس کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ زمانے کے جس نظریہ سے مرعوب ہو کر قرآن کریم کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے، ہوسکتا ہے کہ وہی نظریہ عہدِ جہالت کی یادگار ثابت ہو اور آپ اسے زبان پر لاتے ہوئے بھی شرمانے لگیں۔

راسخ العقیدہ اہل علم کا یہ طرزِ فکر تجربے سے بالکل سچا ثابت ہوا، آج فلسفہ اور سائنس کی ترقیات نے یونانی فلسفے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور اس کے نہ صرف بہت سے طبعی، عنصری اور فلکیاتی نظریات غلط قرار پاگئے، بلکہ ان کی بنیاد پر ما بعد الطبعی (Metaphysical) نظریات کی جو عمارت اٹھائی گئی تھی وہ بھی زمین بوس ہو چکی ہے، جن لوگوں نے یونانی فلسفے کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر قرآن و سنت کو موم کی ناک بنایا تھا، آج اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً ان کی ندامت و شرمندگی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔

لیکن حیرت ہے کہ سطحیت پرستوں کا ایک گروہ تاریخ سے کوئی سبق لینے کے بجائے مغربی افکار سے متاثر مرعوب ہو کر قرآن و سنت کی ایسی تفسیر گھڑنے کی فکر میں ہے، جو مغرب کے چلے ہوئے نظریات پر فٹ ہوسکے۔ یہ گروہ تفسیر کے تمام معقول اور معروف اصولوں کو توڑ کر صرف ایک اصول کی بنیاد پر قرآن کریم کے ساتھ مشقِ ستم میں مصروف ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ اللہ کے اس کلام کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر مغربی افکار کے مطابق بنا دیا جائے۔ یہ لوگ کبھی یہ سوچنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ جس کلام پر وہ تاویل و تحریف کی مشق کر رہے ہیں وہ کس کا کلام ہے؟ جن نظریات کی وہ خاطر وہ اللہ کے کلام میں کھینچا تانی کر رہے ہیں وہ کتنے پائیدار ہیں؟ اور جب انسانی فکر کا قافلہ ان نظریات کو روند کر آگے بڑھے گا تو اس قسم کی تفسیروں اور تشریحات کا کیا حشر ہوگا؟[1]

[1] علوم القرآن، تقی عثمانی، ص۳۷۲۔ ۳۷۶۔

مصادر ومراجع

❁ ابن الصلاح، الشہر زوری، (۶۴۳ھ)

① معرفة انواع علم الحديث (مقدمة ابن الصلاح)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء۔

❁ ابن العثیمین، محمد بن صالح، الشیخ

② شرح مقدمة فی أصول التفسير، لابن تیمیہ، دارالوطن، الریاض، السعودیہ، ۱۴۲۶ھ

❁ ابن القیم، ابوعبداللہ، محمد بن ابی بکر، (م ۷۵۱ھ)

③ إعلام الموقعين عن رب العالمين، ت ابوعبیدہ مشہور بن حسن، در ابن الجوزی، السعودیۃ، ط اولیٰ ۱۴۲۳ھ۔

❁ ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبدالحلیم، شیخ الاسلام، (۷۲۸ھ)

④ مجموع الفتاویٰ، جمع وترتیب: عبدالرحمن بن محمد بن قاسم، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۷ھ

⑤ مقدمة فی أصول التفسير، دارنشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور پاکستان، س ن

❁ ابن حجر العسقلانی، الحافظ (م ۸۵۲)

⑥ النكت على كتاب ابن الصلاح، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ثالثۃ، ۲۰۰۹ء

⑦ فتح الباری، شرح البخاری دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۳۷۹ھ

⑧ هدى الساری مقدمة فتح الباری، دارالفکر، بیروت،لبنان

❁ ابن سعد،محمد ابن منیع (م ۲۳۰ھ)

⑨ الطبقات الکبریٰ، ت عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت، ط ثانیۃ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء

❁ ابن عادل، الدمشقی، ابوحفص عمر بن علی (م ۸۸۰ھ)

⑩ اللباب فی علوم الکتاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط، اولیٰ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

❁ ابن عاشور،محمد الطاہر

⑪ التحریر والتنویر، الدارالتونسیۃ،تونس،س ن

❁ ابن فارس، ابوالحسن، احمد بن فارس بن زکریا(م ۳۹۵ھ)

⑫ معجم مقاییس اللغة، ت عبدالسلام ہارون، دارالفکر، بیروت

❁ ابن قتیبہ

⑬ تأویل مختلف الحدیث، ت عبدالقادر احمد عطا، دارالکتب الاسلامیۃ ، القاہرۃ، ط اولیٰ ۱۴۰۷ھ

❁ ابن کثیر ، الحافظ، ابو الفداء، اسماعیل، (۷۷۴ھ)

⑭ تفسیر القرآن العظیم، دارالدلیل الاثریۃ، الجبیل ، السعودیۃ، ط ثالثۃ، ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء

❁ ابن منظور، الافریقی ،محمد بن مکرم، ابوالفضل، جمال الدین، (م ۷۱۱ھ)

⑮ لسان العرب، دار صادر، بیروت، ط اولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔

❁ اثری عنایت اللہ، وزیر آباد

⑯ حصول تیسیر البیان علی أصول تفسیر القرآن دارالحدیث، گجرات، ۱۹۵۵ء

❁ احمد، ابن حنبل

⑰ المسند، بیت الأفکار الدولیۃ، الاردن، ط۔ رابعہ

❁ اصفہانی، راغب، (م ۵۰۷ھ)

⑱ المفردات فی غریب القرآن، مولانا عبدہ الفلاح، (مترجم) مکتبہ قاسمیہ، لاہور، ط اول ۱۹۶۳ء/ ۱۳۸۳ھ

❁ دہلوی، شاہ ولی اللہ

⑲ الفوز الکبیر، فی اصول التفسیر قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

❁ الألبانی، محمد ناصر الدین

⑳ سلسلة الأحادیث الصحیحة، المکتب الاسلامی، ط ثانیۃ، ۱۴۰۴ھ

㉑ صحیح سنن ابن ماجة، مکتبة المعارف، الریاض، ط اولیٰ ۱۹۹۸ء

㉒ صحیح و ضعیف الترمذی، مکتبة المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۹ء

㉓ صحیح و ضعیف سنن ابی داوٗد، مکتبة المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۵ء

㉔ صحیح و ضعیف سنن النسائی، مکتبة المعارف، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۷ء

❁ البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام المحدث (م ۲۵۶ھ)

㉕ الجامع الصحیح، دارالسلام، الریاض ط ثانیۃ، ۱۹۹۹ء

❁ البغدادی، الخطیب، (م ۴۶۳ھ)

㉖ الکفایة فی علم الروایة، ت عبدالمنعم حسن شبلی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط اولیٰ ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

❁ البغدادی، عبدالقاہر

㉗ الفَرْق بین الفِرَق، الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ط ثانیۃ ۱۹۷۷ء

❁ الجرجانی، علی بن محمد بن علی (م ۸۱۶ھ)

㉘ التعریفات، ت ابراہیم البیاری، ط اولیٰ ۱۴۰۵ھ، دارالکتاب العربی، بیروت

❁ الجوہری، اسماعیل بن حماد (۲۹۲ھ)
(۲۹) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دارالعلم، ملایین، بیروت
❁ الحاکم، النیسابوری، محمد بن عبداللہ، (م ۴۰۵ھ)
(۳۰) المستدرك على الصحيحين، دارالمعرفۃ، بیروت، ط ثانیۃ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء
❁ الخضیری، الدکتور، استاذ مساعد، جامعۃ الامام محمد بن سعود، الریاض
(۳۱) تفسیر التابعین، (رسالۃ دکتوراہ)، دارالوطن، الریاض، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۹ء۔
❁ الخطابی، ابوسلیمان، (م ۳۸۸ھ)
(۳۲) معالم السنن، مطبوع فی ذیل سنن ابی داؤد، دارالحدیث، بیروت، ط اولیٰ، ۱۳۹۴ھ
❁ الدارمی، (م ۴۰۰ھ)
(۳۳) السنن، ت۔ عبداللہ ہاشم الیمانی، دارالمحاسن، القاہرۃ، ۱۹۷۷ء۔
❁ الرومی، فہد بن سلیمان، الدکتور، جامعۃ الملک سعود، الریاض
(۳۴) اتجاهات التفسير فی القرن الرابع عشر، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۔ رابعۃ، ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء
(۳۵) بحوث فی أصول التفسير و مناهجه، مکتبۃ الرشد، مکتبۃ التوبۃ، الریاض، ط۔ سادسۃ، ۱۴۲۲ھ۔
(۳۶) منهج المدرسة العقلية الحديثة فی التفسير، مکتبۃ الرشد، ریاض، ط۔ خامسۃ، ۱۴۲۲ھ۔
❁ الزرقانی، محمد عبدالعظیم، الشیخ،
(۳۷) مناهل العرفان فی علوم القرآن، ت۔ فواز احمد زمرلی، دارالکتاب العربی،

بیروت، ط۔ رابعۃ، ۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء۔

❁ الزرکشی، بدرالدین، (م ۷۹۴ھ)

(۳۸) البرھان فی علوم القرآن، ت۔ مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ اولیٰ، ۱۴۲۸ھ۔ ۲۰۰۷ء۔

❁ الزمخشری، جاراللہ، محمود بن عمر، (۴۶۸ھ۔ ۵۳۸ھ)،

(۳۹) اساس البلاغۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، س۔ن۔

(۴۰) الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ رابعۃ، ۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶ء۔

❁ السبت، خالد بن عثمان

(۴۱) قواعد التفسیر، دار ابن عفان، الخبر، السعودیۃ، ط۔ اولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۷ء۔

❁ السعدی، عبدالرحمٰن بن ناصر، الشیخ

(۴۲) القواعد الحسان لتفسیر القرآن، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۔ ثانیۃ، ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء۔

❁ الشاطبی، ابواسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، الامام الاصولی

(۴۳) الاعتصام، ت۔ سید ابراہیم، دارالحدیث، القاھرۃ، ۱۴۲۴ھ۔ ۲۰۰۳ء۔

(۴۴) الموافقات فی اصول الشریعۃ، دارالحدیث القاھرۃ، ۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶ء۔

❁ الشافعی، محمد بن ادریس، الامام (م ۲۰۴ھ)

(۴۵) الرسالۃ، دارالکتاب العربی، بیروت۔

❁ الشنقیطی، محمد الامین، الشیخ (م ۱۳۹۳)

(۴۶) أضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۔ ثالثۃ، ۲۰۰۶ء۔ ۱۴۲۷ھ۔

❁ الشوکانی، محمد بن علی، الامام (م ۱۲۵۰)

(۴۷) إرشاد الفحول، الی تحقیق الحق من علم الأصول، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ۔

❁ الشہرستانی، ابوالفتح، محمد بن عبدالکریم

(۴۸) الملل والنحل، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۸۷ھ۔

❁ الصباغ، محمد بن لطفی، الدکتور

(۴۹) لمحات فی علوم القرآن و اتجاھات التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۔ ثالثۃ، ۱۴۱۰ھ۔ ۱۹۹۰ء۔

❁ الطبری، ابوجعفر، محمد بن جریر، الامام (م ۳۱۰ھ)

(۵۰) جامع البیان، عن تاویل آی القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ الباب، مصر، ط۔ ثانیۃ، ۱۳۷۳ھ۔ ۱۹۵۴ء۔

❁ الطیار، مساعد بن سلیمان، الدکتور،

(۵۱) شرح مقدمۃ فی أصول التفسیر، لابن تیمیۃ دارابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ط۔ ثانیۃ، ۱۴۲۸ھ

(۵۲) فصول فی أصول التفسیر، دارابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ط۔ ثالثۃ، ۱۴۲۰ھ۔ ۱۹۹۰ء

(۵۳) المحرر فی علوم القرآن، مرکز الدراسات والمعلومات القرآنیۃ، جدۃ، السعودیۃ، ط۔ ثانیۃ، ۲۰۰۸ء۔ ۱۴۲۹ھ

❁ الفیروزآبادی، (۷۲۹۔۸۱۷)

(۵۴) القاموس المحیط داراحیاء التراث العربی، موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، ط اولیٰ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء

❁ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الانصاری (م ۶۷۱ھ)

(۵۵) الجامع الأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، دارالکتب العربی، ط ثالثۃ

۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء

- النسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی، (م ۳۰۲ھ)

۵۶ السنن الصغریٰ، دارالسلام، اولیٰ ۱۹۹۹ء

۵۷ السنن الکبری، ت د، عبدالغفار سلیمان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط اولی، ۱۹۹۱ء

- الہیثمی، (م ۸۰۷ھ)

۵۸ مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط ثالثۃ، ۱۹۸۲ء

- امرتسری، مولانا ثناء اللہ، ابوالوفاء، شیخ الاسلام (متوفی ۱۹۴۸ء)

۵۹ تفسیر القرآن بکلام الرحمن، المطبع البرقی، امرت سر، الہند، ۱۳۴۸ھ

۶۰ تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، ط دوم ۱۹۷۱ء

- امیر علی، ملیح آبادی، سید، فخر العلماء، (م ۱۳۳۷ھ-۱۹۱۹ء)

۶۱ تفسیر مواھب الرحمن، دینی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، ۱۳۹۷ھ-۱۹۷۷ء

- بازمول، محمد بن عمر بن عمر سالم

۶۲ شرح مقدمۃ فی أصول التفسیر لابن تیمیۃ، دارالامام احمد، القاہرۃ، مصر، ط اولیٰ ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

- ترمذی، محمد بن عیسٰی بن سورۃ، الامام، (م ۲۷۹ھ)

۶۳ الجامع، دارالسلام، الریاض ط اولیٰ ۱۹۹۹ء

- تقی عثمانی، حضرت مولانا

۶۴ علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، س-ن

- تھانوی، اشرف علی، حکیم الامت

⑥⑤ بیان القرآن، لاہور، ط ۱۳۷۳ھ

❁ حامد، کمال الدین

⑥⑥ آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟، مطبوعات ایقاظ، لاہور

❁ حسن مدنی، ڈاکٹر، حافظ (مرتب)،

⑥⑦ قرآن فہمی کے بنیادی اصول، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، س ۲۰۰۵ء

❁ دہلوی، شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ـ۱۷۶۲ء)

⑥⑧ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (عربی مترجم)، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

⑥⑨ فتح الخبیر بما لا بدمن حفظه فی علم اتفسیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن۔

❁ رازی فخر الدین

⑦⓪ مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء۔

❁ راغب اصفہانی

⑦① المفردات فی غریب القرآن، مکتبة قاسمیة، فیصل آباد۔

❁ روپڑی، حافظ عبداللہ، محدث

⑦② درایت تفسیری، مطبع روز بازار سٹیم پریس۔ امرتسر، ۱۳۴۳ھ

❁ زیدان، عبدالکریم، الدکتور، الاستاذ بجامعة بغداد

⑦③ الوجیز فی اصول الفقه، فاران اکیڈمی، لاہور، س۔ن

❁ طاہر محمود، الدکتور

⑦④ أسباب الخطأفی التفسیر (رسالة دکتوراہ)، دارابن الجوزی، السعودیۃ، ط۔ اولٰی، ۱۴۲۵ھ۔

❁ عبدالحق کوٹلوی، بن مولانا مولوی حسن شاہ،

(۷۵) السراج المنیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، س۔ن۔

❁ عبدالرؤف، ظفر، ڈاکٹر، پروفیسر

(۷۶) تفسیر قرآن کا مفہوم، آداب اور تقاضے، مجلس التحقیق الاثری، جہلم، ۱۹۹۱ء

❁ عبدالغفار حسن، مولانا

(۷۷) قرآن فہمی کے بنیادی اصول، رباط العلوم الاسلامیۃ، کراچی ۱۹۹۰ء

❁ المحتسب، الدکتور

(۷۸) اتجاھات التفسیر فی العصر الراھن، رباط، مکتبۃ الھنفۃ، عمان الاردن، ط ثالثۃ، ۱۴۰۷ھ

❁ عبدالمجید، محمود مطلوب، الدکتور

(۷۹) مباحث فی علوم القرآن والحدیث، موسسۃ المختار القاہرۃ، مصر، ط ثانیہ، ۱۴۷۹ھ

❁ عبدہ الفلاح، مولانا (م ۱۹۹۹ء)

(۸۰) تاریخ قرآن، دارالحدیث راجووال، ساہیوال، س۔ن

(۸۱) فہم قرآن کے بنیادی اصول، دارالحدیث راجووال، ساہیوال، س۔ن

❁ عدنان زورزور، الدکتور

(۸۲) مدخل الی تفسیر القرآن وعلومه، دارالقلم، دمشق، الدارالشامیۃ، بیروت، ط۔ثانیۃ ۱۹۹۸ء

❁ کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، شیخ الحدیث

(۸۳) التحریر فی أصول التفسیر، قرآن محل، کراچی، س۔ن

❁ گوہر رحمان

(۸۴) علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ط دوم، ۲۰۰۳ء

❁ محمد ابراہیم، الدکتور

(۸۵) اتجاهات التجدید فی تفسیر القرآن الکریم، دارالسلام، القاہرۃ، ط اولی ۱۴۲۹/ ۲۰۰۸ء

❁ محمد احمد عیسیٰ

(۸۶) موسوعة الاسرائیلیات وا لموضوعات فی کتب التفسیر، دارالغد الجدید، القاہرۃ، ط اولیٰ، ۲۰۰۸ء

❁ مسلم، الامام، ابن الحجاج، القشیری

(۸۷) الصحیح، دارالسلام، الریاض، ط ثانیۃ، ۲۰۰۰ء

❁ مناع القطان

(۸۸) مباحث فی علوم القرآن، دارالنشر الکتب الاسلامیۃ، کراچی پاکستان، س-ن

❁ نادی، ابوعمر، الدکتور، استاذ التفسیر بجامعۃ الازھر

(۸۹) دراسات فی مناهج المفسرین، مکتبۃ المتنبی، ط، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

(۹۰) مناهج التفسیر عند المبتدعة والملحدین، مکتبۃ المتنبی، القاہرۃ، ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸ء

❁ ندوی، محمد حنیف

(۹۱) مطالعہ قرآن، علم وعرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء

❁ نواب صدیق حسن خان، قنوجی

(۹۲) اکسیر فی اصول التفسیر (فارسی)، مطبع نظامی کانپور، ۱۲۹۰ھ

معاجم ولغات

المعجم المفهرس، الالفاظ القرآن الکریم

لمعجم الوجیز، مجمع اللغة العربیة، القاهرة

المعجم الوسیط مجمع اللغة العربیة، القاهرة

رسائل وجرائد

سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی'' علی گڑھ، مدیر جلال الدین عمری، (تفسیر قرآن میں نظم کی استدلالی حیثیت مبشر حسین لاہور)

سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد، اپریل - جون ۱۹۹۹ء، خصوصی اشاعت ''برصغیر میں مطالعہ قرآن''

سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد، جلد ۴۱، شمارہ نمبر ۳، ۲۰۰۲ء (فن اصول تفسیر مبادی تدبر قرآن کے حوالے سے، اشہد رفیق ندوی

ششماہی ''علوم القرآن'' ، علی گڑھ، خصوصی اشاعت، قرآنی علوم بیسویں صدی میں، سیمینار نمبر، جنوری، دسمبر ۲۰۰۴ - ۲۰۰۵ء

ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، دسمبر ۱۹۸۵ء (سائنس اور مطالعہ قرآن، مولانا عزیز اللہ اعظمی)

ماہنامہ ''محدث'' لاہور

ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۸۳ء، التفسیر بالرای اور اس کی حیثیت، عبدالرحمن پرواز

مجلة البحوث الاسلامیہ، الریاض، مجلة دوریہ تصدر عن رئاسة ادارة البحوث العلمیة والافتاء، العدد ٦٧، رجب، شعبان، رمضان، شوال ۱۴۲۳ھ

مجلة کلیة، اصول الدین، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیة، الریاض، العدد الرابع، العام الجامعی، ۱۴۰۲ / ۱۴۰۳ھ

غیر مطبوعہ مواد

غریب لغت سے استدلال، اردو تفسیری ادب کے رجحانات، تقابلی وتجزیاتی مطالعہ (تحقیقی مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی علوم اسلامیہ) ۲۰۰۸ء مقالہ نگار: حافظ محمد شہباز، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تفسیرِ قرآن

کے اصول و قواعد







مکتبہ اسلامیہ



بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37244973 - 37232369

بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد

041-2631204 - 2641204

www.maktabaislamiapk.blogspot.com

Facebook.com/maktabaislamia1

maktabaislamiapk@gmail.com



2514800061